ماہانا تحقیقی مجلہ
الاسلام ریئل
جلد نمبر 1: شمارہ نمبر 3: اکتوبر 2020ء
ریسرچ پیپر: یورپ میں قرآن کریم کی طباعت
ریسرچ اسائنمنٹ: تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مسیح موعود میں تقابلی جائزہ
قرآن کریم اور اسرائیلیات
الحاد۔ایک تعارف
قادیانی طریقہ بیعت اور قادیانی دجل
امت مسلمہ کے زوال کے اسباب اور ان کا حل

ماہانہ آنلائن

الاسلام ریئل

تحقیقی مجلہ

جلد نمبر1: شمارہ نمبر 3: اکتوبر2020ء

مضامین ارسال کرنے اور مجلہ کے حصول کے لیے رابطہ فرمائیں۔

Magazine@AlislamReal.Org

03004907617-03450580470

شائع کردہ:

AlislamReal.org

فہرست

مطالعہ تقابل ادیان

متفرقات

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ "الاسلام رئیل" کا تیسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس شمارے میں تقابل ادیان، فتنہ الحاد، رد قادیانیت پر نہایت علمی، تحقیقی تحاریر موجود ہیں۔ ہمیں مختلف یونیورسٹیوں کے طلباء و طالبات کی طرف سے ریسرچ پیپر بھی بھیجے گئے جن کو طویل غور وخوض کے بعد شمارے میں شامل کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئیندہ شمارے سے کم از کم ایک ریسرچ پیپر کو باقاعدہ ہر شمارے میں شامل کیا جائے گا۔ یونیورسٹیوں اور مدارس کے طلباء و طالبات ہمیں اپنے ریسرچ پیپرز بھیج سکتے ہیں۔ اگر وہ واقعی تحقیق کے معیار پر پورا اترے تو انہیں ضرور شامل اشاعت کیا جائے گا۔

ہماری ویب سائٹ Alislamreal.org پر بھی کام جاری ہے اور وہاں بھی ہم نے مقالہ جات اور اسائنمنٹس کا الگ سے فولڈر بنایا ہے جس میں یونیورسٹیوں اور مدارس کے طلباء و طالبات کے مقالہ جات اور اسائنمنٹس کو رکھا جائے گا۔ جن کو آن لائن پڑھنے کے ساتھ ساتھ ڈاؤن لوڈ بھی کیا جاسکے گا۔ اس لئے جو طلباء و طالبات اس تحریر کو پڑھیں وہ خود بھی ہمیں مقالہ جات اور اسائنمنٹس ضرور بھیجیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی مطلع کریں۔ تاکہ اس سے ریسرچ سکالرز فائدہ اٹھا سکیں۔

اعتراض:

مشرق اور مغرب (البقرہ 142)

دو مشرق اور دو مغرب (الرحمن 17)

مشرقوں اور مغربوں (المعارج 40

معترض کہتا ہے کہ ان تین آیات میں تضاد ہے ایک آیت میں اللہ کریم نے ایک مشرق اور ایک مغرب کا ذکر کیا، دوسرہ میں دو کا اور تیسری میں جمع کا، اس لیے یہ تو تضاد ہے۔

جواب:

کاش کہ معترض جدید علم و فنون عموما اور علم جغرافیہ و فلکیات سے خصوصا واقف ہوتا تو اس اعتراض کی نوبت تو کجا وہ اللہ کی کارگری پہ اش اش کر اٹھتا مگر موصوف ایک ہی رٹ پہ قائم ہے کہ میں نہ مانوں اور میں نہ جانوں۔ بس "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" علم کی دنیا میں دعوی تصدیق کے لیے دلائل و ثبوت کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔

خیر آئیں اس تضاد کا جائزہ لیں۔ مگر اس سے پہلے چند حقائق کا سمجھنا ضروری ہے۔ وہ فردًا فردًا دیکھ لیتے ہیں۔

---

[1] حافظ ابن جنید: متعلم درس نظامی

علامہ شعیب کراچی: فاضل علوم اسلامیہ

محمد شعیب احمد: علوم اسلامیہ سکالر

محمد شاہجہان اقبال: ایم فل علوم اسلامیہ

سب سے پہلے جغرافیہ کی چند اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے ان میں پہلی اصطلاح "سمت"، "جہت" ہے۔ گو کہ ریئلٹی ویٹی تھیوری کہ مطابق جگہ سے جگہ اور چیز سے چیز کی نسبت کے اعتبار سے اس کے اعتبارات بدلتے رہتے ہیں۔ ابھی اس سے بحث نہیں۔ صرف سمتوں کو سمجھنا کافی ہو گا۔

زمین کی سمت:

زمین کے سمتی تعین میں چار بڑی سمتیں ہیں، مشرق، مغرب، شمال، جنوب یہ بنیادی اکائی ہے یا آسانی کے لیے کہہ لیں جنس کے اعتبار سے واضح تقسیم ہے۔ یہ تقسیم زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور جس خط سے یہ تقسیم کی جاتی ہے اسے خطِ استواء سے ماسوم کیا جاتا ہے آئیں دیکھتے ہیں یہ خط کیا ہے؟

خط استوا:

خط استوا (Equator) گلوب یا دنیا کے نقشے پر اس کے بالکل درمیان سے کھینچا گیا ایک فرضی خط یا لکیر ہے۔ یہ خط ہماری دنیا کو شمال اور جنوب کی طرف بالکل دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ استوا عربی زبان میں برابر کو کہتے ہیں۔ خط استوا اور اس کے آس پاس کے علاقے زمین کے بالکل وسط میں ہونے کی وجہ سے خاص طرح کے موسم میں رہتے ہیں۔
اب قرانِ عظیم کی پہلی آیت کے عظیم انکشاف کو سمجھیے کہ اللہ نے یہاں ایک مشرق اور ایک مغرب کا ارشاد فرما کر چودہ سو سال پہلے ایک خطِ امتیاز جسے جغرافیہ کی زبان میں خطِ استوء کہتے ہیں اور اس آیت سے اس بنیادی اور سمتی تقسیم کی طرف صریحاً اشارہ فرما دیا سبحان اللہ عما یشرقون۔
اب آجائیں کہ اس بنیادی تقسیم سے اہل جغرافیہ کے علماء نے کیا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس پوائنٹ آف ریفرنس سے کن چیزوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس سے پہلے میں قارئین کی نظر جغرافیہ کی دو اصلاحات خطِ سرطان اور خطِ جدی کو رکھنا چاہتا ہوں تاکہ قران عظیم کے تثنیہ کے صیغے کی حکمت و معارفت سمجھ آسکے۔

خط سرطان:

زمین کی وہ حالت جب سورج خط استوا میں خط سرطان پر عموداً چمکتا ہے۔ یہ 22 جون کی کیفیت ہوتی ہے۔ سورج قطب شمالی کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ اور قطب جنوبی سے ہٹا ہوا۔ شمالی نصف کرے میں جنوبی کرے سے مختلف صورت ہوتی ہے۔ جنوبی حصے میں سردیوں کا موسم ہوتا ہے اور شمالی کرے میں گرمیوں کا موسم ہوتا ہے۔ خط استوا پر دن رات برابر ہوتے ہیں۔ شمالی نصف کرہ میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ قطب

شمالی 24 گھنٹے روشنی میں رہتا ہے۔ جس سے وہاں لگاتار دن رہتا ہے۔ جنوبی نصف کرے میں صورتِ حالات مختلف ہوتی ہے۔ یہاں سردیوں کا موسم ہوتا ہے۔ راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ قطبِ جنوبی مسلسل تاریکی میں رہتا ہے۔ اس کا جنوبی مساوی خط جدی ہے۔

خط جدی:

خط جدی (Tropic of Capricorn) عرض بلد کا ایک دائرہ ہے۔ اس کا شمالی مساوی خط سرطان ہے۔ راس الجدی وہ حالت جب آفتاب خط جدی پر عموداً چمکتا ہے۔ یہ صورت 22 دسمبر کو پیش آتی ہے۔ سورج قطب جنوبی کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ اور قطب شمالی پر سے ہٹا ہوتا ہے۔ اس حالت میں نصف کرہ جنوبی میں گرمیوں کا موسم ہوتا ہے یعنی دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ قطب جنوبی 24 گھنٹے روشنی میں رہتا ہے۔ اس لیے وہاں لگاتار دن رہتا ہے۔ اس کے برعکس نصف کرۂ شمالی میں سردیوں کا موسم ہوتا ہے۔ راتیں لمبی اور دن چھوٹے چونکہ یہ حصہ سورج سے دور ہٹا ہوتا ہے۔ اس لیے قطب شمالی پر متواتر تاریکی چھائی رہتی۔

ان دونوں خطوط کی وضاحت اس لیے ضروری تھی کہ ہم اس بات کو سمجھ پائیں کہ ان خطوط پہ موسم کا تغیر کیا معنی رکھتا ہے۔ یعنی 22 جون جو موسم گرما کا گرم اور طویل دن ہوتا ہے اور 22 دسمبر سردیوں کا چھوٹا دن اور طویل رات کیوں ہے۔

ان دونوں خطوط جیسا کہ بیان کیا گیا دو مشرق اور دو مغرب کی طرف اشارہ ہے۔ کس طرح آیئے اس کو سمجھ لیں:

1. ایک تو خطے استواء سے ایک طرف سورج کے جھکنے سے گرمی دن کا بڑا ہونا اور ایک مقام سے نکلنا بعین۔
2. دوسری خط کی طرف سے ہٹے ہونے کی وجہ سے مقامِ سورج کو اور جگہ سے نکلنا، موسم کا سرد اور دن کا چھوٹا ہونا۔

ایک اور نکتہ سے دو مشرق اور دو مغرب کو سمجھے جب یہاں سورج غروب ہوتا ہے تو دیگر ممالک میں سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ اور جب یہاں طلوع ہوتا ہے تو دیگر ممالک میں غروب ہو رہا ہوتا ہے اس اعتبار سے دو مشرق اور دو مغرب ثابت ہو جاتے ہیں جو مبنی بر حقیقت ہے۔ آئیں اب اس آیت کو اس ریفرنس میں رکھ کر سمجھے تاکہ بات واضح ہو جاے

"(وہی) مشرقین (دو مشرق) اور مغربین (دو مغرب) کا رب ہے۔"[1]

جغرافیے کی سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور لیکن اس کے طلوع ہونے کا مقام سارا سال تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ سال میں دو دن، 21 مارچ اور 23 ستمبر، جو اعتدال ربیعی و خریفی (Equinox) کے نام سے معروف ہیں، ایسے ہیں جب سورج عین مشرق سے طلوع ہوتا ہے، یعنی خط استوا پر سفر کرتا ہے، باقی تمام دنوں میں عین مشرق سے قدرے شمال یا قدرے جنوب کی طرف ہٹ کر طلوع ہوتا

---

[1] سورۃ الرحمن 55 آیت 17

ہے۔ موسم گرما کے دوران میں 22 جون کو سورج مشرق کی ایک انتہا سے نکلتا ہے (خط سرطان پر سفر کرتا ہے) تو موسم سرما میں بھی ایک خاص دن، یعنی 22 دسمبر کو سورج مشرق کی دوسری انتہا سے نکلتا ہے۔ (خط جدی پر سفر کرتا ہے)۔ اس طرح سورج موسم گرما میں (22 جون) اور موسم سرما میں (22 دسمبر) کو مغرب میں دو مختلف انتہاؤں پر غروب ہوتا ہے۔

اس طرح ہم روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ دو مشرق اور دو مغرب کیا ہیں۔

آئیں اب اس آیت کا جائزہ لیں جہاں مشارق اور مغارب یعنی جمع کے صیغے کا ذکر ہوا ہے اس میں کیا حکمتیں اور کیا کیا راز موجود ہیں۔

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ

"پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی"[i]

اس میں مشرق اور مغرب کی جمع کے لیئے مشارق اور مغارب کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو کہ جمع کے صیغے ہیں اور دو سے زیادہ کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ اب خط استوا کے عین مطابق ایک مشرق اور ایک مغرب پہ دلالت کرتی ہے دو انتہاؤں پہ دو مشرق اور دو مغرب کی طرف اشارہ ہے۔ اور تیسرا پوائنٹ آف ریفرنس سے ایک انتہا کے درمیان سال کے 365 ایام کے اعتبار سے سورج کا طلوع و غروب جمع کے صیغے یعنی بہت سے مشارق اور بہت سے مغارب کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس طرح تینوں آیات میں تطابق اور بے شمار راز چھپے ہیں جو ایمان کے اضافے کے لیے معاون اور مدد ہیں لیکن اگر کوئی کجی آنکھ سے دیکھے تو اس میں اللہ کی آیات کا کیا قصور ٹیڑھا پن تو اسی کی آنکھوں میں اور دماغ میں ہے۔

اس پہ تھیوری آف ریلٹی ویٹی کے نظر سے بھی بات ہو سکتی ہے کہ کتنے مشرق اور کتنے مغرب ہیں۔ مگر طوالت سے گریز اختیار کر کے اسی پہ اکتفاء کیا جاتا ہے۔

خلاصہ:

ایک عام آدمی کے لیے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت (البقرہ 142) میں تو جنسِ مشرق و مغرب مراد ہے جو قلیل وہ کثیر سب کو شامل ہے - اور دوسری آیت (الرحمن 17) میں ہر یوم کی مشرق و مغرب کے اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے - کیونکہ روزانہ مشرق اور مغرب بدلتے رہتے ہیں، سال کے ایام کی تعداد کے مطابق تین سو ساٹھ (360) مشارق اور تین سو ساٹھ (360) مغارب ہیں، ابن عطیہ سے مروی ہے کہ ایک سو اسی (180) مشارق اور اتنے ہی مغارب ہیں، یا مطلق کواکب کے مشارق و مغارب مراد ہیں، اس لئے صیغۂ جمع لایا گیا ہے - اور تیسری آیات (المعارج 40) میں مشرق صفت وشتاء اور مغرب صفت وشتاء کے اعتبار سے صیغۂ تثنیہ استعمال کیا گیا ہے، گرمی و سردی کے مشرق و مغرب مختلف ہوتے ہیں، یا مشرقِ شمس و قمر اور مغربِ شمس و قمر کے اعتبار سے مشرقین و مغربین کہہ دیا گیا ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

Abstract: After Second World War, when the distances between the East and the West began to reduce and the west paid attention to the eastern knowledge seriously. Especially European countries took interests in Islamic subjects and a new trend was generated which is known as Orientalism and the people who acquire the subjective knowledge are being called orientalists. In this connection the orientalists started shown keen interest in learning Islamic subjects and with that interest their object was not to spread the religion Islam but to negate and cancel the true picture of true religion Islam, fear of dominancy of Islam, spread of Christianity and multiple political nations. That is why the first thing they have targeted was the Holy Quran. While X-Prime minister William Evart Gladstone quoted 1882 "Till the Quran exists, it is impossible for Europe to down the East" .Since then the new era of publication and translations of Quran took place, in which era the treatise and conversion made in various languages differently in different countries which will be discussed in this research article along with the discussion of orientalists who took part in the composition or translation.

Key words: Orientalists, Quran, treatise and translation

دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرق اور مغرب میں فاصلے خاصے سمٹ چکے تھے۔ میڈیا کے ذریعے مغرب مشرق پر حملہ آور ہو چکا تھا لیکن اس کے جارحانہ انداز میں ابھی وضعداری اور سنجیدگی کا عنصر غالب تھا۔ جدید تاریخ کے اس دور میں پروان چڑھنے والے ادب اور فنون لطیفہ نے دنیا کو نئے زاویے تعارف کرائے۔ پچاس کی دہائی سے لیکر اسی کی دہائی کے نصف اول کو مغرب کا کلاسیکل دور کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب

---

[1] اویس انور: ریسرچ اسکالر شعبہ اصول الدین، جامعہ کراچی
ڈاکٹر محمد اسحاق: اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اصول الدین، جامعہ کراچی

مغرب نے موسیقی، فلم سازی صحافت، تحقیق، تصنیف میں کمال عروج حاصل کیا اور دنیا کو اس کی تقلید پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم شعبہ جو امریکہ اور یورپ میں کئی صدیوں سے کام کر رہا ہے وہ استشراق (Orientalism) کا شعبہ ہے۔ جی ہاں یہ وہی شعبہ ہے جس سے متعلق محققین کو ہم مستشرقین (Orientalists) کے نام سے جانتے ہیں۔ اس شعبے میں یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات سے لیکر تعلیم یافتہ پادری بھی شامل تھے۔ اوائل میں یہ شعبہ مشرقی علوم، وہاں کی ثقافت، زبانیں اور قوموں کے عادات واطوار سے متعلق تحقیق تک مختص رہا لیکن بعد میں اس کا دامن صرف اسلام اور مسلمانوں سے متعلق تحقیقات تک محدود ہو گیا۔ اس شعبے کی ابتداء کے بارے میں عرب اور مغربی علماء میں اختلاف ہے۔ لیکن جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس وقت عالم عیسائیت کو بلاد شام سے بدحواسانہ انداز میں پسپا ہونا پڑا اور اس نے مسلمانوں کو یورپ کے دروازوں تک اپنے تعاقب میں پایا تو مسلمانوں اور اسلام سے متعلق آگاہی کی خواہش کے بطن سے اس علم نے جنم لیا۔ صلیبی جنگوں کے دور میں اسلام اور عیسائیت کا ایک مرتبہ آمنا سامنا ہوا۔ میدان جنگ کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن جب دو قومیں آمنے سامنے آتے ہیں تو ان کی ثقافت اور فکر بھی رزم آرا ہو جاتی ہیں۔ صلیبی جنگوں کے دور میں جو اثرات عرب اسلامی ثقافت کے مغربی تہذیب پر پڑے وہ اس دور کی مغربی تصنیفات میں نمایاں ہیں۔ اس طرح جو اثرات مغربی ثقافت نے عرب ثقافت پر چھوڑے وہ اس دور کی عرب شاعری اور ادب میں نمایاں ہیں[1]۔

مغرب کے نزدیک اسلام اور مغرب کے درمیان ہونے والی ابتدائی معرکہ آرائیوں میں جو شعور اجاگر ہوا وہ یہ تھا کہ مشرق میں مغرب کی سرمایہ دارانہ استعماری سوچ کے سامنے اگر کوئی واحد رکاوٹ ہے تو وہ اسلامی فکر۔ کیونکہ جاپان سے لیکر غرب الہند تک کوئی مشرقی قوم اور مذہب "نظام" کے وصف سے متصف نہیں تھا۔ صرف دین اسلام ہی تھا جو معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کا حامل تھا یہ صرف عبادات کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ اس نے طبیعات اور مابعد الطبیعات کے میدانوں میں بھی اتصال پیدا کر رکھا تھا۔ انہی خدشات کی بنا پر مغرب میں بڑے بڑے تحقیقی ادارے اور یونیورسٹیوں کے ڈیپارٹمنٹ تشکیل دیئے گئے جہاں پر علمی سطح پر اسلامی فکر میں نقب لگانے کے کام زوروں سے شروع ہوئے۔

1۔ مستشرقین کے اہداف:

اہل علم نے مستشرقین کے بہت سے مقاصد بیان کیے ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

---

[1] حمد انیس الرحمن، نوائے وقت لاہور 11 اپریل 2011 بعنوان، توہین قرآن اور علم استشراق، ص 11

1۔ دین اسلام کی تعلیمات اور تصویر کو مسخ کرنا۔ (Rudolf Rudi Pared)(1901-1983) کا کہنا ہے کہ معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصد دین اسلام کو باطل ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین مسیحیت کی طرف راغب کرنا ہے [1]۔

2۔ روڈی پارٹ نے لکھاہے کہ ازمنہ وسطی (Middle Ages) میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد علوم اسلامیہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوئی کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت کو مسخ کر سکے، کیونکہ اس کا ذہن بن چکا تھا کہ جو دین بھی مسیحت کے خلاف ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ [2]

2۔ اسلام کے غلبے کا خوف:

مغرب میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا اور عیسائی دنیا کو مسلمان ہونے سے بچانا بھی تحریک استشراق کے اہم مقاصد میں سے ہے سابقہ برطانوی وزیر اعظم رہنما ولیم گلاڈسٹن William Evart Gladstone نے 1882 میں کہا تھا کہ جب تک قرآن موجود ہے، یورپ کے لیے مشرق کو مغلوب کرنا ممکن نہیں ہے، بلکہ قرآن کی موجودگی یورپ کے لیے اپنے آپ کو حالت امن میں محسوس کرنا درست نہیں ہے۔ [3]

3۔ مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج:

استاد عبد الرحمن میدانی کا کہنا ہے کہ یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں علوم اسلامی اور علوم عربیہ کا تعلیمی نصاب، منہج اور طریق تدریس طے کرنے والے متعصب مستشرقین اور تنصیری (Evangelist) ہیں۔ [4]

جرمن مستشرق یوہن فک Johan fuck (1894-1974) نے لکھاہے کہ استشراق محض کوئی علمی تحریک نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود اسلام کا رد اور مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج ہے۔ [5]

4۔ اصلاحِ مذہب:

مسلم مفکر ابن رشد (Avicenna)(890-1037) کے فلسفے کے زیر اثر اہل مغرب میں ہی ایک بڑی تعداد مصلحین کی پیدا ہو چکی تھی

---

[1] محمد جلاء ادریس، ڈاکٹر، الاستشراق الاسرائیلی فی المصادر العبریہ، العربی للنشر والتوزیع، ص 24

[2] اسماعیل علی محمد، ڈاکٹر، الاستشراق بین الحقیقہ والتضلیل (مدخل علمی لدراسۃ الاستشراق) للنشر والتوزیع، طبعۃ اولی ۱۴۱۹ھ۔ 1998م۔ ص 29

[3] ایضاً ص 85

[4] المیدانی، عبد الرحمن، اجنحۃ المکر الثلاثۃ وخوافیھا التبشیر۔ الاستشراق۔ الاستعمار، دار القلم دمشق، ص 150

[5] الاستشراق بین الحقیقہ والتضلیل، ص 35

جنہوں نے اپنے مذہب کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے علوم وفنون کی طرف توجہ دی۔ ایسے مصلحین کو عموماً مسیحی دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مارٹن لوتھر(Martin Luther 1483-1546) وغیرہ پر اہل روم نے یہ تہمت لگائی کہ وہ مسیحی دین کو دین محمد ﷺ سے تبدیل کرنا چاہتا ہے[1]۔

5۔ سیاسی مقاصد:

معروف برطانوی مستشرق ایڈورڈ لین(Edward William Lane)(1801-1876) 1825ء میں مصر واپس آیا اور 10 سال یہاں قیام کیا۔ لندن واپسی پر اس نے 1836 میں ایک کتاب "اخلاق وعادات المصریین المعاصرۃ" شائع کروائی۔ اس کتاب کی کئی ایک طباعت انگلینڈ، جرمنی اور امریکہ سے شائع ہوئیں تاکہ مغرب مشرق پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس کے بارے میں ممکنہ جانکاری حاصل کر سکے۔[2]

چنانچہ اپنے ان اہداف کو حاصل کرنے کے لیے مستشرقین کا سب سے اہم ہدف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ اور اسلامی شریعت رہا۔ لہٰذا اسی ہدف کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے قرآن کریم کی طباعت اور تراجم کا کام شروع کیا۔

قرآن کریم کی طباعت:

ا۔ ان اول طبعة للقرآن فی نصّه العربی الكامل هی تلك التی تمّت فی البندقیه بتاریخ ان یکون سنة ۱۵۳۰م تقریباً۔ الا ان جمیع نسخ هذه الطبعة قد تمّ اتلافها بأمرٍ من الكنيسة ولم يعثر لها على اثرٍ حتى الآن3۔

ترجمہ: "قرآن کریم کا سب سے پہلا مکمل نسخہ عربی نص کے ساتھ 1530 میں اٹلی کے شہر وینس میں طبع ہوا۔ لیکن رومن پوپ کے کہنے پر اس نسخہ کو ضائع کر دیا گیا اور آج تک اس کا پتہ نہیں چلا"۔

اس کے بارے میں مزید تفصیل(Mykhaylo Yakubovych) نے بیان کی کہ قرآن کریم کا سب سے پہلا نسخہ (Venice) اٹلی میں وجود میں آیا جو صرف دو(Venetians) کی جدوجہد سے ہوا جن کا نام (Paganino) اور (Alessandro Paganini) تھا۔ باپ بیٹے کی بے انتہا محنت کے بعد قرآن کریم کی آزادانہ اشاعت 1537-1538 میں ہوئی یہ دونوں شخصیات اپنے دور کے فلاسفر اور مرتب جانے جاتے تھے جو(Philosophical Theological) اور دوسرے مضامین کی اشاعت اور مضمون نگار تھے. کچھ

---

[1] الکبیسی، فاضل محمد عواد، المستشرقون المعاصرون، دار الفرقان اردن، طبعۃ 2005، ص 26

[2] الاستشراق بین الحقیقه والتضلیل، ص 56-57

[3] مطر ہاشمی، حسن علی حسن، قراۃ تقدیمہ فی (تاریخ القرآن) للمستشرق تھیودور نولدکہ، المطبعۃ دار الکفیل للطباعۃ والنشر التوزیع طبع اولی ۱۴۳۵ھ۔ ص 88

صدیوں بعد قرآن کریم کا یہ نسخہ کہیں غائب ہو گیا یا کھو گیا مانا یہ جاتا ہے کہ رومن پوپ کے حکم سے جلا دیا گیا۔ 1987 میں (Angela Nuovo) کو لائبریری سے ایک کاپی شدہ نسخہ ملا جو (Franciscan Friars of Isola di san Michele) جو اٹلی میں واقع ہے ۔(Jonathan) نے یہ تبادلہ خیال کیا کہ جو قرآن کریم کا جو نسخہ ملا ہے شاید تجارتی نیت سے رکھا گیا تھا۔ اور دوسرے علماء کی رائے یہ تھی کہ یہ کاپی شدہ نسخہ سلطنت عثمانیہ میں برآمدات کی جانی تھی۔ اس خصوصی نسخہ میں 466 صفحات تھے جس میں عربی زبان کے علاوہ کچھ لاطینی عنوان بھی شامل تھے۔ جیسے القرآن واعرابی جس کا مطلب "ال اعرابی قرآن" ہے۔ اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ اس نسخہ میں اسلام کے خلاف کوئی مواد نہیں ہے اور اس نسخہ کو مسلمانوں میں تقسیم کی نیت سے لکھا گیا تھا۔ اس پورے نسخہ میں ہر سورت کو اس طرح سے تقسیم کیا گیا کہ ہر سورت کا آیت نمبر موجود تھا۔ اور اس کی اشاعت میں مسلمانوں کی کاوش بھی شامل تھی۔ صفحہ کے درمیان میں عربی اس طرح لکھی گئی تھی کہ وہ 16 لائینوں پر مشتمل تھی اس نسخہ کی سب سے خوبصورت بات یہ تھی کہ عربی کے تمام اعراب، زبر، زیر اور پیش اور حرکات بہت دلفریف تھے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ کافی نہیں تھی۔(Paganini's edition) میں دو اہم مسئلے یہ تھے کہ اس کے (Text) میں انگریزی الفاظ کی ملاوٹ تھی، جیسے مثلاً (Surah Fatihah) دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ اشاعت نگراں نے کافی جگہوں پر اعراب کا صحیح استعمال نہیں کیا۔ سوائے عربی زبان کے۔ اسی وجہ سے اس نسخہ کے الفاظ کو پڑھنا اور اس کی ادائیگی کرنا ناممکن تھا۔[1]

۲ :ثم طبع توما ارپنیوس "سورة یوسف" بنصها العربي ،مع ثلاث ترجمات لاتینیة و شروح۔لیدن مطبعة ارپنیوس،۱۶۱۷۔[2]

ترجمہ: 1617 میں تھام ارپنیوس نے سورۃ یوسف کو عربی متن اور لاطینی زبان کے تین ترجموں اور شروحات کے ساتھ مطبع ارپنیوس سے شائع کیا۔

تھامس ارپنیوس (Thomas Erpenius):(1548-1624) ہالینڈ کا ایک مستشرق تھا۔ 11 ستمبر 1584ء کو گورکم میں پیدا ہوا۔ لیڈن یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور کتابوں اور مخطوطات کی طلب میں انگلینڈ، فرانس، جرمنی اور اٹلی کا سفر کیا۔ سفر کے بعد لیڈن واپس آیا اور 1613 میں لیڈن یونیورسٹی میں عربی کا سب سے پہلا استاذ مقرر ہوا۔ پھر اس نے ایک مطبع کی بنیاد رکھی اور یہ مطبع "دار بریل" کے نام سے معروف ہے۔ اسی کو ہالینڈ میں استشراق کی بنیاد رکھنے والا شمار کیا جاتا ہے۔ ارپنیوس نے کئی کتابیں لکھیں[3] جن میں:

---

[1] MykhayloYakubovych:History of the printing of the Glorious Quran in Europe p: 5

[2] بدوی، ڈاکٹر عبد الرحمن، موسوعۃ المستشرقین، دار العلم للملایین، ص 438

[3] العقیقی، نجیب، المستشرقون، دار المعارف مصر، طبعۃ ثالثۃ، ج 2، ص 653

۳:وطبع یوھان زیشندروف فی رسالتین ،بدون تاریخ،طبعتا فی **(Cygnea)** السورتین ۱۰۱و۱۰۳ فی الاولی،والسورتین ۶۱و۷۸ فی الثانیة،بحروف عربیة منحوتة فی الخشب۔[1]

ترجمہ: یوہان زیشندروف نے دو رسالے بغیر تاریخ کے (Cygnea) میں طبع کیے پہلے رسالہ میں سورۃ نمبر 103، 101 اور دوسرے میں سورۃ نمبر 61، 78 طبع کیے۔ اور یہ دونوں رسالے عربی حروف کے ساتھ تھے جو ایک لکڑی پر تراشے ہوئے تھے۔

۴ :وطبع فی امستردام ۱۶۴۶ کرسیتانوس رافیوس من برلین السور الثلاث عشرة الأولی من القرآن بحروف لاتینیة،وفی مقابلها ترجمة لاتینیة ۔واستعمل رافیوس طریقة خاصة فی رسم الحروف العربیة بالحروف اللاتینیة۔

ترجمہ: 1646ء میں کرسیتانوس راویوس نے برلن میں قرآن کریم کی پہلی دس سورتوں میں سے تین سورتیں طبع کی لیکن اس میں عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف استعمال کیے اور اس کا ترجمہ بھی لاطینی میں کیا، اور یہ طباعت ایمسٹرڈیم میں ہوئی۔ راویوس نے کہ عربی حروف کہ جگہ لاطینی حروف کا یہ خاص طریقہ استعمال کیا۔

۵:وقام یوھانس جورج نسلیوس بطبع السورة الرابعة عشرة والخامسة عشرة بالنص العربی والحروف العربیة،مع ثلاث ترجمات لاتینیة،وذلك فی لیدن ۱۶۵۵ فی مطبعة یو۔ الزفیر ھی التی اشترت مطبعة ارپنیوس بحروفها العربیة۔

ترجمہ: 1655ء میں یوہانس جارج نسلیوس (Nisselius) نے لیڈن میں سورۃ نمبر 14 اور 15 کو عربی میں عربی حروف مع لاطینی ترجموں کے ساتھ مطبع جوالزفیر (Jo.Elsevier) سے طبع ہوا۔ یہ وہی مطبع ہے جو بعد میں مطبع ارپنیوس کے نام سے مشہور ہوا۔

۶:وطبع ماتیاس فردریك بکیوس السورتین ۳۰،و۸۸ اعتمادا علی اربعة مخطوطات عربیة ،مع ترجمة لاتینیة وتعلیقات ۔وذلك فی اوجسبرج **(Augustae Vindelicorum)** ۱۶۸۸،والنص بحروف عربیة۔

ترجمہ: 1688ء میں ماتیاس فرڈریک بکیوس (Beckius) نے چار عربی مخطوطات پر اعتماد کرتے ہوئے سورۃ نمبر 30 اور 88 کو عربی میں عربی رسم الخط اور لاطینی ترجمہ اور تعلیقات کے ساتھ مطبع(Augustae Vindelicorum) سے طبع کیا۔

۷:أما اول طبعة للنص الاکامل للقرآن وبحروف عربیة ،وانتشرت ولا یزال توجد منها نسخ فی بعض مکتبات أوروبا،فھی تلك التی قام بها أبراھام ھنکلمان **(Abraham Hinckelman)**(۱۶۵۲-۱۶۹۵) فی مدینة ھامبورج بألمانیة،فی مطبعة **Schultzio-Schilleriana**،فی سنة ۱۶۹۴ وتقع فی ۵۶۰ صفحة وعنوانها اللتینی ھو:

ترجمہ: 1694ء میں قرآن کریم کا مکمل نسخہ عربی رسم الخط میں ابراھام ہنکلمان (Abraham Hinckelman) نے جرمنی کے شہر ہیمبرگ میں طبع کیا یہ وہی نسخہ ہے جو آجکل یورپ کے بعض مکاتیب میں پایا جاتا ہے اسی نسخہ کے صفحہ 560 پر یہ عنوان درج ہے:

---

[1] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص438

(Al.Coranus seu lex Islamitia Muhammedis,filii Abdallae pseudo prophatae Codicum fidem edtia ex musco Abraham Hinkelmanni,D.Hamburgi,ex officina Schultzio-Schilleriana,anno 1694.4 pagg.560)[1]

ابراھام ہنکلمان 2 مئی 1652 کو ڈالبن Dabeln جو کہ Electorate of Saxony کا ایک قصبہ ہے اور (Electorate of Saxony) جرمنی کی ایک ریاست ہے، میں پیدا ہوا اور وفات ۱۱ فروری 1695 کو ہوئی۔ یہ جرمنی کا ایک پروٹسٹن مسیحی اور اسلام شناس تھا۔ اور اس نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔[2]

ہنکلمان کے نسخے کہ مزید وضاحت کرتے ہوئے Mykhaylo Yakubovych بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم کا مکمل نسخہ 1694 ءمیں ہیمبرگ میں طبع ہوا، مطلب جبکہ کچھ سورتوں کی طباعت الگ سے ہو چکی تھی۔ جیسے سورۃ یوسف 1617ء میں Leiden میں (leading Dutch Orientalist Thomas Erpenius) نے شائع کی۔ ہیمبرگ ایڈیشن جرمنی کے مستشرق ابراہم ہنکلمان نے تیار کیا۔ ایک وقت میں اس کی توجہ ان دونوں پر تھی اس نے قرآن کریم کی اصل عربی کو جھوٹا اور غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ہنکلمان نے کئی بار دلچسپی سے قرآن کی مخطوطات کو استعمال کیا۔ یہ طباعت ایک لمبے تعارف پر مشتمل تھا اور اس میں عربی زبان سے لاطینی زبان تک خبر رسانی کی گئی۔ جدید چھپائی اور وینس خبر رساں کی وجہ سے یہ نسخہ بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو گیا۔ کاغذ اور دوات دونوں کی وجہ سے اس نسخہ کو پڑھنے میں آسانی ہو گئی۔ اس پوری اشاعت کا عنوان (Al-Coranus,lex Islamitica Muhammedis Filii Abdallae) اس کا عربی ٹائٹل:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم القرآن وھو شرائع الاسلامیہ محمد بن عبداللہ" تھا۔ 563 صفحات پر مشتمل یہ عربی عبارات پچھلے اور اگلے صفحات پر سورتوں، مقام وحی اور ملک کے نام کے ساتھ چھاپا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ صفحوں کے اوپر لاطینی زبان میں عنوانات تھے۔ زیادہ تر آیتیں بہت اچھے طریقے سے پرنٹ ہوئی تھیں۔ الفاظوں کو تجوید کی علامات جیسے مدہ وغیرہ کے ساتھ واضح طور پر لکھا گیا تھا۔ بہر حال مکمل تجوید شامل نہ تھی اور رسم الخط بھی کچھ الگ ہی تھا جو مغرب کے پہلے ایڈیشن سے مختلف تھا۔ اگرچہ یہ جو رسم الخط تھا بہت اعلی اور غلطی سے پاک تھا لیکن پھر بھی اس میں لکھائی کی غلطیاں تھی۔ جیسے سورت بقرہ کی تیسری آیت من قبلک میں نون کے ساتھ لکھا ہوا ہے جبکہ یہ با کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اس نسخہ میں غلطیوں کی ایک فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔ ہنکلمان کا یہ نسخہ کافی مشہور ہوا اور لائبریری میں

---

[1] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص 438

[2] Wikipedia.search (Abraham Hinkalman)

ایک بہت بڑی تعداد اس کے نسخوں کی جمع کی گئی اور اس کو بڑے پیانے پر تقسیم بھی کیا گیا۔ اور اٹھارویں صدی کے مستشرقین نے اس کے نسخہ کو بہت استعمال کیا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ یہ نسخہ مسلمانوں نے بھی استعمال کیا یا نہیں۔[1]

۸ :واجود منها ،وهی الیتی حظیت بالشهرة والذیوع،طبعة کاملة للقرآن ،قام بها لودوفکو مرّتشی (Ludovico Marracci)،الراهب المنتسب الی "جمعیة رهبان امّ الله" وکان للبابا انوسنت الحادی عشر۔وتم الطبع مدینة پتافیا Batavia ۱۶۹۸ فی مطبعة السمیناریین۔وهذا هو عنوانها اللاتینی الکامل۔

ترجمہ: 1698ء میں قرآن کریم کا ایک مکمل نسخہ اٹلی کے شہر (Padovo) میں لوڈو مرتشی Ludovico Marracci نے طبع کیا لوڈو ایک راہب تھا جو (Arabic in the college of women) کا پروفیسر تھا یہ نسخہ مطبع سمینار یین نے شائع کیا تھا اور اس پر لاطینی میں یہ عنوان تھا:

Alcorani textus universus ex correctioribus Arabum exemplaribus summa fide,atque pulcherrimis characteribus traslate descriputs,eademque fide,acpari diligentia ex arabico idionate in latinum ,oppositis unicuque capiti notis,atque refutatione:His omnibus praemissus est prodromus totum priorem tomum implens,in quo contenta indicantur pagina sequenti-auctore Ludovico Marraccio e Congregation clericoum regularium matris Dei,Innocentii XI.Gloriosissimae memoriae olim confessario,Patavii 1698,ex typograhiae seminarii.[2]

لوئس یا لوڈو مرتشی (1612-1700) اس کا صحیح تلفظ لوئس ہے۔ یہ ایک اطالوی مستشرق تھا۔ لوکا میں 1612ء میں پیدائش ہے۔ Clerks regular of the Mother of God of Lucca کا ممبر بنا اور مشرقی زبان میں کافی مہارت حاصل کی خاص طور پر عربی زبان میں۔ بعد میں یہ پوپ انوسنٹ کا معترف بھی بنا اور پوپ نے اس کو College of wisdom میں عربی کا پروفیسر مقرر کیا۔ 88 برس کی عمر میں 1700ء میں اس کی وفات ہوئی۔[3]

اس نسخہ کے بارے میں Mykhaylo Yakubovych اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مغرب میں قرآن کریم کا تیسرا مکمل ایڈیشن ہنکلمان کے نسخہ کے چار سال بعد ظاہر ہوا جس کو اٹلی کے ایک مستشرق لوڈو مرتشی (Ludovico Marracci) نے 1700ء پوڈاوا (اٹلی) میں شائع کیا۔ جو ایک زاہد (عابد)، تعلیم یافتہ تھا اور عربی میں مہارت رکھتا تھا۔ پوپ نے اس کو College of wisdom میں عربی کا پروفیسر مقرر کیا تھا۔ اس کی اس زبان کی قابلیت کی وجہ سے بعد میں اس کو اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ مرتشی کا یہ ایڈیشن مختلف

---

[1] Mykhaylo Yakubovych:History of the printing of the Glorious Quran in Europe p:8

[2] بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص 438

[3] Wikipedia.search (Ludovico Marracci)

لائبریروں میں (Al.Corani textus universus) کے نام سے محفوظ کرلیا گیا ہے اور اس کی دو جلدیں شائع ہوئیں۔ اس میں دو قسم لکھائی استعمال ہوئی۔ ایک خالص عربی اور دوسرا یونانی ترجمہ میں۔ اس ایڈیشن میں ہر نوٹ کے ساتھ حضور ﷺ کی مختصر سیرت اور اسلامی عقائد کی تردیدات کو شامل کیا گیا۔ مرتشی نے تردید کی صورت میں قرآن کریم اور مسیحی فلسفہ کا موازنہ کیا تاہم اس نے اسلامی تفاسیر کو اہم قرار دیا۔ اس کی وضاحت میں اس نے بیضاوی اور زمخشری جو مشہور سلطنت عثمانی کے مفسرین ہیں ان کو ترجیح دی۔ اور اس نے کچھ اشارے ابو اسحاق طہلابی کی کتاب سے دیا۔ مرتشی کے نسخہ کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ اس نے قرآن کریم کی تمام آیتوں کے شروع میں نمبر ڈالے ۔ آیتوں کو خاص اشارہ نماعلامت سے الگ کیا جو آیت کے آخر میں پرنٹ تھے۔ اس اشاعت میں عربی الفاظ استعمال کیا۔ جیسا کہ ہنکلمان کی اشاعت میں تھا۔ مزید براں مرتشیقرآن کے اجزاء سے بھی واقف تھالہذا اس نے اپنے اس ایڈیشن میں مارجن (Margin) کے لئے بھی جگہ رکھی۔ مغرب میں یہ پہلی مرتبہ اجزاء کی صورت میں قرآن کریم ظاہر ہوا۔ باوجود یہ کہ مرتشی کی بہترین جدوجہد تھی لیکن پھر بھی یہ لکھائی کی غلطی سے خالی نہ تھا۔ بہرحال کچھ جگہوں پر عربی الفاظ ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے، جیسے ت،ق کے ساتھ (سورۃ الملک کی آیت نمبر ا)تبارك الذی میں ت کی جگہ ق استعمال کیا گیا اور سورۃ البقرۃ آیت 71 میں تطھر شین کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ اسی طرح اور بھی کچھ الفاظوں کو مختصر کیا گیا جیسے الفاظوں کے درمیان فاصلہ (Gap) دیا گیا اور غلط الفاظ واضح نہیں کیے گئے جس کی وجہ سے پڑھائی میں کافی پیچیدگیاں ہوئیں۔ اس اشاعت نے لاطینی ترجمہ کی وجہ سے کافی شہرت پائی اور یورپی مستشرقین نے اس سے کافی استفادہ کیا۔ اور یہ ترجمہ دوسری تشریحات کے لئے بھی بہت اہم تھا۔[1]

۹ :وفی برلین ۱۷۰۱ نشرت مختارات من القرآن بالعربیة والفارسیة والترکیة واللاتینیة قام بنشرها أندریا أکولوتوس**Andria Acroliths**،اللاهوتی واستاذ اللغات الشرقیة فی براتسلاقا۔ وتقع فی ۵۰ص من قطع الورقة۔ وعنوانه باللاتینی۔

ترجمہ: 1701ء میں برلن میں قرآن کریم کے کچھ مختارات عربی، ترکی، فارسی اور لاطینی زبانوں میں نشر کیے گئے اور ان کو انڈریا اکولوتھس نے نشر کیا۔ یہ براتسلاقا میں علم لاھوت کا ماہر اور لغات شرقیہ کا استاذ تھا۔ اس نسخہ پر یہ عنوان درج تھا:

Alcoranica ,sive specimen Alcorani quadrilinguis,Arabici,Persici,Turcici,Latini.

۱۰:طبعة کاملة للقرآن فی نصه العربی، تمت فی بطرسبرج ۱۷۸۷،فی ۴۷۷ص بعنوان

ترجمہ : 1787ء میں قرآن کریم کا عربی میں ایک مکمل نسخہ بطرسبرج میں طبع ہوا اس کے صفحہ 477 پر یہ عنوان تھا

(Koran,Arabice.Petropoli,1787)

1Mykhaylo Yakubovych:History of the printing of the Glorious Quran in Europe p:10 to 13

١١:وطبع النص العربی الکامل للقرآن مرتین فی قازان فی سنة ١٨٠٣ ۔وقد اشرف علی ھذہ الطبعة (احقر عباد اللہ،عبد العزیز توقطمش بن علی)

ترجمہ:1803ء میں احقر عباد اللہ عبد العزیز توقطمش بن علی نے قازان میں دو مرتبہ قرآن کریم عربی رسم الخط میں طبع کیا۔

١٢۔لکن یفوق تلك الطبعات جمیعها ، کم استصبح عمدة الطبعات الأوروبیة والمرجع للباحثین جمیعا فی أوروبا،الطبعة التی قام بها جوستاف فلوجل فی ١٨٣٤ فی لیپتسك،عند الناشر کارل تاوخنتس الشھیر وھاك عنوانها اللاتینی۔
ترجمہ**1834**ء میں گوسٹو فلوجل نے ایك نہایت عمدہ نسخہ شائع کیا جس میں پچھلے تمام نسخوں کا خلاصہ کیا ،اورخالص عربی رسم الخط کو مغرب میں پیش کرنے کا یہ نہایت ایك اھم اقدام تھا ۔اور اس پر لاطینی میں یہ عنوان درج تھا:

Corani textus arabicus ad fidem librorum manuscriptorum et impressorum et ad praecipuorum interpretum lectiones et auctritatem recensuit indicesque et suratarum addidit Gustavus Fluegel Philosophiae doctor et Artium liberalim magister,AfraneiProfessor,Societaties Asiaticae Parisiensis sodails,Societatits Sorabice-Lipsiensismembrum honorarium .Lipsiae typis et sumptibus Caroli.Tauchnaitii.MDCCCIV.IIn-4VIII et texte arabe (4) et 241.

ترجمہ:القرآن:خالص عربی میں مخطوطات اور مطبوعات اور سب سے افضل مفسرین اور مؤلفین کی قرات کے اعتبار سے،اس کو گوسٹو فلوجل نے طبع کیا جو فلسفہ میں ڈاکٹر ہیں اور فنون میں ماسٹر اور پروفیسر ہیں اور آپ جمعیة الاسیویہ پیرس اور جمعیة لیپزک کے ایک اہم ممبر ہیں.

اس مطبوعہ کی اہم خصوصیات :

عربی طرز پر پہلے صفحے کو خالی چھوڑا، دوسرے صفحے پر عربی میں عنوان ہے، تیسرا صفحہ صاف ہے چوتھے صفحہ پر صرف سورة الفاتحہ ہے،ان صفحات پر کوئی نمبر نہیں ہے نمبرات کی ابتدا سورة البقرة سے کی ہے۔اس نسخہ کی مشرق میں متعدد بار طباعت ہو چکی ہے۔اس کی دوسری طباعت تصحیح کے ساتھ 1841ء میں ہوئی۔ تیسری طباعت 1858ء میں، چوتھی طباعت 1870 ء میں,پانچویں 1881ء میں اور چھٹی طباعت 1893 ء میں ہوئی۔ فلوجل کی اس طباعت کو جوزف موریس ردزلوبG.M Red slobنے چوری کر لیا تھالہذا اس نے دوبارہ اس کی طباعت کی استریوتیپ کی طباعت کی طرز پر اور اس پر یہ عنوان درج کیا:

Coran Arabice,Recensionis Flugelianae textum recognitum iterum exprimi curavit Gustavus Mauritius Redslob,Phil.Dr et in univ.Literatia Lips .Prof.Pupl.extroaord Editio setreotypa.Lipsiae Typis et sumptu Caroli Tauchnitii:1837 Gr.in-8.538

فلوجل نے اس بد شکل چوری پر کافی احتجاج کیا جس کے بارے میں حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (ص IX-X) کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے یہ چوری دنیا کی عجیب چوریوں میں سے تھی اس لئے کہ چور کوئی اور نہیں فلسفہ کا ایک ڈاکٹر، جامعہ لیپتسک کا استاذ تھا۔[1]

گوسٹو فلوجل ایک جرمن مستشرق ہے۔ 18 فروری 1802ء کو باوتس (Bautzen) کے علاقہ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے ہی شہر میں سیبلیس (Siebel's) کی نگرانی میں حاصل کی۔ 1821ء میں لیپستک کی جامعہ میں داخلہ لیا اور علم لاھوت اور فلسفہ میں تخصص کیا اور روزنملر(Rosenumuller) ، ونر (Wiener) اور ونزر سے Winzer سے مشرقی زبانیں سیکھی 1827ء سے 1830ء تک فارسی عربی، اور مشرقی زبانیں سیکھیں اور اس کے بعد مخطوطات پر کام کیا۔ 1832ء میں کلیہ مایسن میں استاذ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد بیمار ہوئے اور 1870ء میں ڈرسڈن میں انتقال ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کا علمی کام بہت عمدہ ہے اس میں کوئی اور مستشرق ان کی ٹکر کا نہیں۔ انہوں نے کئی کتب نشر کی جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ :عربی، فارسی، ترکی، سریانی اور حبشی زبانوں کے مخطوطات کی فہرس مرتب کی جو مکتبہ القصر والدولہ میں موجود ہے۔

2۔ :حیاۃ السیوطی ومؤلفاتہ۔ ۳

3۔ :المنتقیات الجدیدۃ لمخطوطات شرقیۃ فی مکتبۃ باریس۔

4۔ :المنتقیات الجدیدۃ لمخطوطات شرقیۃ فی المکتبۃ الامبراطوریۃ فی فیینا۔

5۔ :تاریخ العرب فی ثلاث مجلدات: درسدرن ولیپتسک۔

6۔ :طبعہ للنص العربی للقرآن ۷ :فھرس القرآن۔

7۔ :"بحث فی المترجمین العرب للکتب الیونانیۃ" مایسن۔

8۔ : "التعریفات" کو نص عربی کے ساتھ اور "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" کو سات جلدوں میں نشر کیا۔[2]

(جاری ہے ان شاءاللہ)

---

[1] : بدوی، موسوعۃ المستشرقین، ص 439

[2] العقیقی، نجیب، المستشرقون، ج2، ص 701

یہ مضمون سوشل میڈیا پر متحرک سیّد امجد حسین کے قلمی نام سے معروف ایک مُلحد کے مضمون "قرآن اور اسرائیلیات" کا جواب ہے۔ امجد حسین نے اسلام کے خلاف اپنا مضمون کچھ عرصہ پہلے شائع کیا اور اپنی طرف سے یہ ضروری بندوبست کیا کہ قرآنِ کریم پر شکوک کا انبار لگانے کے عمل میں کوئی کسر نہ چھوڑی جائے۔ تاہم، موصوف کے لیے امرِ بد قسمتی یہ ٹھہرا کہ اسلام کی کوکھ ابھی اہلِ علم و دانش سے خالی نہیں ہوئی اور نہ ہی بفضلِ تعالیٰ ایسا کبھی ہو گا۔ مسلمان جہاں دل میں ایمان و محبتِ رسول (ﷺ) کو غالب رکھتے ہیں، وہیں اُن کے دماغ علم سے معمور اور دانش سے روشن بھی ہیں۔ مزید یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ یہ مضمون اگرچہ مخاطب مُلحدِ مذکور کو کر رہا ہے، تاہم اِس کا مُدعا سبھی ایسے ملحدین ہیں، جو قرآنِ کریم پر اِسی قسم کے اعتراضات لگا کر مُسلم عوام النّاس کے اذہان کو پراگندہ کرتے رہتے ہیں۔

مُلحد امجد حسین نے سورہ الشعراء سے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے قرآنِ کریم کے پچھلی اِلہامی کُتب کے متعلق کیے گئے اِس دعویٰ کو اپنے اعتراض کی بنیاد بنایا ہے کہ قرآن وحی الٰہی کے ایک باہم مربوط سلسلے کی باضابطہ حتمی شکل ہے، لہٰذا اِس کا پچھلی کتابوں، جیسا کہ توریت، زبُور، اِنجیل اور صحائفِ انبیّاء، سے گہرا تعلق ہے۔ موصُوف کا دعویٰ ہے کہ قرآنِ کریم کا سابقہ کُتبِ سماوی سے گہرا تعلق نہیں ہے کیونکہ اکثر واقعات و حادثات جو قرآن نے پچھلی کتابوں سے منسوب کر کے بیان کیے ہیں، وہ یہودی اور مسیحی کتب میں سِرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ مزید بر آں، اگر کوئی واقعات موجود بھی ہیں تو وہ ہُو بہُو رقم نہیں کیے گئے، بلکہ ردّوبدل کرنے کے بعد ہی رقم کیے گئے ہیں، جو کہ اصُولِ تاریخ کے مطابق قرآن کی اِلہامی صحت پر سوالیہ نشان اُٹھاتا ہے۔ جِن قرآنی آیات کو موصُوف کی جانِب سے اعتراض پیش کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے، وہ سورہ الشعراء کی 192 سے 196 تک کی آیات ہیں۔ آیئے ایک نظر اِن آیات پر ڈالتے ہیں۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یہ قرآن ربُ العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار روح القدس لے کر اترے ہیں۔ جنھوں نے آپ کے دل پر اِس کو اُتار دیا، تا کہ آپ لوگوں کو خبر دار کرتے رہیں۔ (یہ قرآن) روشن عربی زبان میں ہے۔ بے شک اِن باتوں کی خبر پہلے نازِل شدہ صحائف میں موجود ہے۔"

---

[1] سید محمد وقاص: مدرس علوم بائبل: باب العلم ریسرچ فاؤنڈیشن پاکستان

مُلحد امجد حسین کی طرف سے لگائے گئے اعتراضات کے ردّ میں زیادہ مشقت کی ضرورت اِس لیے بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ موصوف نے محض اپنی سوچ کی کسوٹی پر کچھ "مفروضے" قائم کیے ہیں، جن کا معروضی تاریخ اور سامی مذہبی فکر سے بنیادی طور پر کوئی تعلق نہیں۔ موصُوف نے اگرچہ مستشرق اینڈرسن شاء کی کتاب سے قرآن پر کی گئی کڑی تنقید نقل کی ہے اور قرآن کے مُبیّنہ زمینی مآخذوں کا ذکر کیا ہے، تاہم اِس کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنے ذہن کا سارا زہر بھی اِس تنقید کے اندر ڈال دیا ہے۔ تاہم اِتنے اہتمام کے باوجود بات محض ایک دعویٰ سے آگے نہیں بڑھ سکی اور باقاعدہ بُغض وعِناد کی شکل اختیار کر گئی ہے جو قوانینِ تحقیق کی رُوح کے عین منافی ہے۔

موصُوف کا کہنا ہے کہ وہ سبھی واقعات سابقہ کُتبِ سماوی میں موجود نہیں ہیں، جو قرآن میں مذکور ہیں۔ تاہم موصُوف کے اِس دعویٰ کی بنیاد موجودہ "بائبل مقدس" ہے، جس کی 66 یا 73 کُتب کو وہ سورہ الشعراء کی آیت 196 میں بیان کردہ "زُبُرِ الاَوّلِین" کے مساوی شمار کرکے اپنا یہ اعتراض داغ رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ یہ سبھی واقعات تو دیگر مذاہب کی کُتب میں موجود ہی نہیں ہیں۔ بقول امجد حسین:

"اس دعوے کی قلعی یوں کھل جاتی ہے کہ قرآن کو شاید خود ہی یہ پتہ نہیں کہ اس میں درج بیشتر قصے اور کہانیاں پہلے پیغمبروں کی کتابوں (توریت اور انجیل) میں نہیں بلکہ ان کتابوں کے مفسرین اور ان کے امتیوں کی جمع کردہ احادیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔"

پہلی بات تو یہ ہے کہ مُلحد موصُوف کے پاس ایسی کوئی سَنَد نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ قرآنِ کریم نے کتبِ سابقہ کے تذکرہ میں اِنہی چند ایک کُتب کو سامنے رکھا ہے، جو موصُوف اپنی طرف سے فرض کیے بیٹھے ہیں۔ دُوسری بات یہ کہ خود آلِ یہود الہام کے ارتقاء پر یقین رکھتے تھے اور آج بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ طبقہءِ احبار (Levites) کے زیرِ انتظام توریت کی تفسیر بھی عین الہامی معیار ہی رکھتی ہے، کیونکہ بنی اسرائیل کے اکثر انبیاء کا تعلق اِسی طبقہ سے تھا اور تفسیر کا یہ شعبہ بائبل مُقدّس کے مطابق خود مُوسیٰؑ سے یُوشع بن نونؑ کی طرف منتقل ہوا تھا۔ توریت کی پانچویں کتاب، "کتابِ استثناء"، کے باب 34 میں تحریر شدہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کا واقعہ اور اُس پر تبصرہ جنابِ یُوشعؑ کی ہی طرف منسوب ہے جو کہ تب مُوسیٰؑ کے جانشین اور بنی اسرائیل کے امیر قرار پائے تھے۔ اگرچہ تفسیری کُتب کا معیار یہودیوں کے ہاں توریت سے نیچے ہے، تاہم اِس کے الہامی مرتبہ سے کہیں بھی انکار نہیں کیا جاتا۔ درحقیقت، توریت یہودی فِکر کے اندر وہی مقام رکھتی ہے جو اِسلام میں قرآنِ کریم کا مُقام ہے، جبکہ دیگر صحائفِ انبیّاء اور کُتبِ تفاسیر دونوں کو ہی باہم متوازی لیکن توریت سے ثانوی مرتبہ عطاء کیا جاتا ہے، جو اسلامی اصطلاح میں "حدیث" قرار پائے گا۔ اِس کے برعکس یہودی دوسری طرف مسیحی صحائف کو "الہامی" ماننے کو تیار نہیں ہیں، بلکہ مسیحیت کو "بدعتی فرقہ" قرار دیتے ہوئے اِس کے صحائف کو گمراہی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک جنابِ عیسیٰ مسیحؑ موعود نہیں تھے، اِس لیے یہودیوں کے مطابق کسی نئے خدائی عہد یا شریعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ البتہ دوسری جانب مسیحی دُنیا اِس بات کی پُرزور داعی ہے کہ "عہد نامہ جدید" (New Testament) نہ صرف الہامی ہے، بلکہ بائبل کا جزوِ لازم ہے اور یہودی "عہد نامہ قدیم" (Old Testament)

پر فوقیت رکھتا ہے۔ اتنے بڑے دعوے کے باوجود حیران کن امر یہ ہے کہ مسیحی دُنیا آج تک بائبل کے اندر موجود کُتب کی تعداد پر متفق نہیں ہو سکی۔ بعض نے ایک خاص تعداد میں کُتب کو الہامی ہونے کا درجہ دیا، تو دیگر نے بائبل میں موجود کُتب کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ مسیحیت کے پروٹسٹنٹ فرقہ کی بائبل میں 66 کُتب ہیں، کیتھولک بائبل 73 کُتب پر مشتمل ہے اور مشرقی آرتھوڈکس فرقہ کی بائبل 81 کُتب کی حامل ہے۔ لہٰذا یہاں اُصولی معیار یہ ہو گا کہ قرآنی دعویٰ کی نوعیت کو دیگر مذاہب کے اندر دستیاب جزوی تفصیلات کی بجائے قرآنی پیراڈائیم کے نقطہء ارتکاز اور فکری مُدعاء کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ کون کون سی کُتب قرآن کے پیش کردہ توحیدی اور اِلہامی معیار پر پُورا اُترتی ہیں اور وحیِ الٰہی کی عکاسی کرتی ہیں۔ اِس پر مزید گفتگو آگے آرہی ہے۔

اعتراض پر مبنی تحریر پڑھ کر معلوم پڑتا ہے کہ ملحد امجد حسین یہودی دینیات، الٰہیات اور تاریخ سے قطعاًواقف نہیں، کیونکہ اگر وہ اِن سے واقف ہوتا تو اینڈرسن کی تحقیق سے آگے بڑھ کر کچھ تفصیلات خود بھی شائع کرتا کہ کون سی یہودی کُتب میں کیا معاملات چل رہے ہیں اور اُن کا موضوع و مقصد کیا ہے۔ تاہم مصنف نے محض زہر افشانی کی، لیکن کوئی تفصیلات مہیا نہیں کیں۔ مُلحد کی آسانی کے لیے یہ معلومات یہاں درج کی جارہی ہیں۔

یہودی دینیات "تصورِ قانون" (תּוֹרָה) پر کھڑی ہے اور اِس سے نتھی مذہبی فکر اور تصورِ حیات دونوں اِسی قانون کے تابع ہیں۔ چونکہ دینِ موسیٰؑ کی بنیاد "توریت" ہے، جو کہ اصلاً کتابِ شریعت ہے۔ اِس لیے بنی اسرائیل کے لیے سب دینی سچائیوں کا منبع و مآخذ بھی یہی کتاب ہے اور باقی سب تحریریں، تقریریں اور تعبیریں توریت کی تفسیر کی سی مثال رکھتی ہیں۔ توریت کو آج کی دُنیا میں The Law کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ تاہم دلچسپ امر یہ ہے کہ یہودی قانون دو حصوں پر مشتمل ہے، جس کی یہ تحریری شکل ہے، جبکہ اِس کے علاوہ ایک دوسری شکل "زُبانی قانون" (Oral Torah یا Oral Law) کی بھی ہے، جو اپنی نوعیت میں اسلامی علمِ حدیث، تفسیر اور فقہ سے مماثلت رکھتا ہے، لیکن اِس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اِس میں اکثر قانون سازی انبیائے کرامؑ کی جانب سے کی گئی ہے، جو آگے چل کر یہودی روایت و درایت کا باقاعدہ حصہ بن گئی۔ بعد ازاں، آلِ اسرائیل نے اِس کو اپنی سماجی، سیاسی، معاشی اور مذہبی زندگی میں "Levites" یعنی کاہنوں کے زیرِ سایہ توریت کے متوازی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ کو طُورِ سینا پر دو طرح کی توریتیں ملی تھیں۔ ایک توریت وہ تھی جو تحریری شکل میں موجود ہے، جبکہ دُوسری توریت کو حضرت موسیٰؑ نے تحریر نہیں کیا تھا بلکہ وہ بنی اسرائیل کے اندر سینہ بسینہ ہی چلتی اور آگے منتقل ہوتی رہی۔ یہ دُوسری طرز کی توریت (یا زُبانی قانون) آلِ اسرائیل کی الہامی تاریخ، قانون سازی، تفسیر اور ہزار سالہ فکری ارتقاء پر محیط ہے۔ اِس کو "طالمود" (תַּלְמוּד) کہتے ہیں ("تالمود" لکھنا مستعمل ہے)، جس کی دو اہم شکلیں "تالمودِ یروشلم" اور "تالمودِ بابل" ہیں۔ مزید بر آں، تالمود کے دو اندرونی حصے ہیں جن کے نام "مشناح" (מִשְׁנָה) اور "گمورا" (גמרא) ہیں۔ تالمود کی قانونی شکل کو مسیحیت کی پیدائش کے وقت تک یہودی علماء نے سیل کر کے حتمی رُوپ دے دیا تھا اور اِس کے الہامی معیار کو یہود کے سبھی فرقے تسلیم کرتے

تھے (سوائے آٹھویں صدی میں مشرقی یورپ میں ظاہر ہونے والے "قرائیم" فرقے کے)۔ تالمود کو بالآخر جب تحریری شکل میں لایا گیا اور اِس کی قانونیت (Canonization) کو حتمی قرار دیا گیا تو اِس عمل کو "ہلاکاہ" (הֲלָכָה) یعنی "راستہ پر چلنے" کا نام دیا گیا۔ یہودی "تناخ"، جسے عیسائی "عہد نامہ قدیم" کہتے ہیں اور جو توریت، کتبِ انبیاء، اور کتبِ حکمت پر مشتمل ہے، کے بعد "تالمود" یہودیوں کی معتبر ترین کتاب ہے، جس کو یہودی عقائد کے مطابق الہامی سمجھا جاتا ہے، جبکہ یہودی علماء تالمود کی بنیاد پر کیے گئے فیصلوں کو ہر اعتبار سے حتمی سمجھتے ہیں۔ توریتِ مُوسوی درحقیقت شریعت کے 613 اصولوں کا مجموعہ ہے، جن میں سے اکثریت بائبل کی پانچویں کتاب "کتابِ استثناء" (Deuteronomy) میں وارد ہیں، جبکہ تالمود اِن اصولوں پر انبیاء اور یہودی صالحین وفقہاء کی جانب سے ڈالی گئی روشنی اور عملی تشریح پر مشتمل ایک وسیع سلسلہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مُلحد امجد حسین نے آخر ایسا کیونکر سمجھ لیا کہ قرآن نے سابقہ کُتب کے تذکرہ میں "تالمود" (Talmud) کا اِدراک نہیں کیا ہوگا؟ کیا رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے محض توریت ہی پڑھی جاتی تھی یا زُبانی قانون یعنی تالمود کو بھی بیان کیا جاتا تھا؟ اگر تو قرآن انسانی کلام ہوتا، تو محمد رسول اللہ (ﷺ) کے لیے بہت آسان تھا کہ سبھی یہودی کُتب کے سلاسل کو یہودِ مدینہ سے سُن کر قرآن میں ترتیب سے بیان کر دیتے اور اُن کی جزئیات پر بھی بحث کر ڈالتے۔ تاہم قرآنِ کریم کا ایک ایک لفظ شاہد ہے کہ قرآن کا مُدعا یہ نہیں ہے، لہٰذا قرآن نے سابقہ کُتب کو عمومی زاویئے سے تذکرہ کی زینت بنایا ہے اور پوری الہامی تاریخ کو ایک "واحد سلسلۂ وحی" (Organic Whole) میں پرو کر کلامِ الٰہی تصور کیا۔ اِس عمل میں چونکہ مآخذ خود اللہ کی ذات اور صفتِ علم ہیں، لہٰذا قرآن میں حتمی حوالہ کے طور پر "وحیِ الٰہی" کی سابقہ تاریخ کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا اور اُن سب تفصیلات میں جانے سے گریز کیا گیا ہے کہ کون سے واقعات تارٗخ کے خطِ استواء پر کب کب واقع ہوئے ہیں اور کِن کِن کُتب میں وارد ہوئے ہیں۔ یہ محض استدلال نہیں، بلکہ قرآن کا اپنا بیان ہے کہ کتاب اللہ میں واقعات اور حادثات کا بیان انسانیت کے "سبق" کے لیے ہے اور واقعاتی تفصیلات سے زیادہ اہم پیغامِ توحید و تقویٰ کی تبلیغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن یاد دہانی کے ساتھ بار بار دعوتِ فکر بھی دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

"آپ سے پہلے بہت سے مثالیں گزر چکی ہیں۔ پس آپ سب زمین میں چل کر دیکھیں کہ کیسا انجام تھا جھٹلانے والوں کا[1]۔"

"بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے وہ اصل باتیں پیش کرتا ہے، جس میں وہ زیادہ تر اختلاف کرتے ہیں[2]۔"

مُلحد امجد حسین کی طرف سے اُٹھائے گئے اعتراض کے ایک اور پہلو پر تسلّی بخش بحث کے لیے ہمیں قدیم تاریخ میں جانا پڑے گا تاکہ تاریخ کے فتویٰ کے سامنے کسی کو انکار کی جرات نہ ہو سکے اور سبھی مُلحدوں کی زُبان بندی بادلیل یکبارگی کی جا سکے۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے

---

[1] سورہ آلِ عمران، آیت 137

[2] سورہ نمل، آیت 76

اعلانِ نبوت 610ء میں کیا اور تب آپ (ﷺ) کی عمرِ مبارک 40 برس کے لگ بھگ تھی۔ تب تک آپ مُتحرک تجارتی و کاروباری زندگی سے بہت حد تک دُوری اختیار کر چکے تھے اور آفاقی سچائیوں کی روشنی میں کائنات کی اصل اور انسانی وجود کی حقیقت پر گہرے تدبر اور تفکر کے مراحل سے گزر رہے تھے، جو اِس بات کا مظہر ہے کہ اللہ حضور (ﷺ) کی منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے سلسلے میں تربیت فرما رہا تھا۔ اِس کے برعکس، سماجی و معاشرتی معاملات میں آپ کی شمولیت حسبِ سابق جاری رہی، جس کا ثبوت 608ء میں حجرِ اسود کی خانہ کعبہ میں تنصیب کا واقعہ ہے جس کو حضور (ﷺ) کے مشورے سے ہی اِس کے موجودہ مقام پر نصب کیا گیا تھا۔ اِسی طرح اہلِ مکہ حضور (ﷺ) کے پاس اپنی بیش قیمت امانتیں رکھوایا کرتے اور آپ سے اہم اُمور پر باقاعدگی سے مشاورت کیا کرتے تھے۔

مکہ میں جب پہلی وحی (سورہ علق) نازل ہوئی تو اُس کے اندر توحید و ربوبیت کا جو آفاقی پیغام تھا، بالکل وہی پیغام 632ء میں نازل ہونے آخری وحی "آج ہم نے آپ کے لیے آپ کا دین مکمل کر دیا[1]" میں بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا۔ نہ تو کہیں انداز میں فرق آیا تھا اور نہ ہی تحریکِ اسلام کے فکری محوّر یا دینی پیغام میں کوئی جھول ظاہر ہوا تھا۔ شروع سے آخر تک قرآن کا انداز ایک ہی رہا جو کہ لاشریک ہستی کی جانب سے زمین پر چُن لیے گئے عبدِ خاص کی طرف ترسیل کردہ احکامات اور پیغامات کا حامل تھا۔ یہاں یہ نُقطہ اہم ہے کہ اِس اَبلاغِ خالق و مخلوق میں صیغہ ہمیشہ "اَمر" یعنی حکمیہ ہی رہا (حکمیہ میں "اَمر و نہی" دونوں داخل ہیں) جو اِس حقیقت کا اِدراک دیتا ہے کہ حکم اور فیصلہ صرف خالق کا ہی رہے گا کیونکہ خالق و مخلوق کا یہ فرق استوائی نہیں بلکہ عمودی ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر قرآن ایک انسانی کاوش ہوتا، جس کے مآخذ سابقہ کُتب، علاقائی کہانیاں، عرب مشاہیر کی داستانیں، عجم کے قصے اور خطے کی توہم پرستیاں تھیں، تو قرآن کا باہم مربوط اور مکمل ہونا ممکن نہ تھا۔ ایسی صورت میں نہ صرف قرآن میں بے شمار جھول پائے جاتے، بلکہ قرآن کا مُصنف پیغام کی جامعیت اور ترسیل و ترویج دونوں کے معاملے میں چُوک بھی جاتا۔ تاہم ایسا نہیں ہوا، بلکہ قرآن تحریری شکل میں آنے سے پہلے بارہا عرب کے خاص و عام کے سامنے پڑھا گیا، یہودی اور مسیحی علماء کے سامنے اِس کی آیات رکھی گئیں اور اِن کو عرب کے طول و عرض میں بطورِ الہیاتی، مابعد الطّبیعاتی اور تاریخی حوالہ کے طور پر پیش کیا گیا، لیکن کیا عربی و عجمی، کیا یہودی و عیسائی، کسی کو اِن آیات کی مخالفت کرنے اور کُھلی دعوت کے باوجود قرآن کے اندر سے تضاد ڈھونڈ کر لانے کی اہلیت کسی کو حاصل نہ ہو سکی۔ اِس پر مزید قرآن کے اِس "چیلنج" نے سونے پر سہاگہ والا کام کیا کہ اگر الزامات لگانے والے سچے ہیں اور قرآن کی مخالفت میں استقامت رکھتے ہیں تو اِس کلام جیسی ایک "سورت" ہی بنا لائیں تاکہ صداقت پرکھنے کا پیمانہ ایک جیسا ہو سکے۔ تاہم اِس چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی اور بڑے بڑے فُصحائے عرب کی زُبانوں پر قُفل پڑ گئے۔

---

[1] سورۃ المائدہ:3

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرآنی سورتوں کی اکثریت مکہ میں نازل ہوئی اور اِن سورتوں کی خاصیت یہ ہے کہ اِن میں اسلام کی توحید پر مبنی دینی فکر، فلسفہءِ الٰہیات، دینیاتی قواعد اور تصوراتِ مابعد الطبیعات مکمل کر دیئے گئے۔ ایسا کہنے سے مراد یہ ہے کہ اِسلام کا تصورِ توحید، تصورِ وحی، تصورِ نبوّت و رسالت اور تصورِ آخرت سبھی اپنی کامل شکل میں آچکے تھے اور اسلام اپنی بنیادوں پر تاریخ کی مکمل روشنی میں قائم ہو چکا تھا۔ اگر کہیں کوئی ارتقاء جاری تھا تو وہ مراحلِ عبادات اور خانگی زندگی کے اُمور تھے، جن کا بہر حال "عقائد" کے ساتھ کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا تنقیدی نظر سے دیکھنے پر بھی معلوم ہو گا کہ مدینہ میں یہود کی موجودگی اور اُن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ملنا جُلنا اِسلام کے تصوراتِ مابعد الطبیعات پر کسی قسم کا کوئی اثر نہ چھوڑ سکا۔ یہاں اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے یہود سے بہت کچھ مستعار لیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہودیت کی دورِ ہجرت کے ابتدائی پانچ سالوں میں مسلمانوں کے قُرب وجوار میں موجودگی اسلامی فکر کے اندر نہ تو کوئی اضافہ کر سکی اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی کمی لا سکی۔ تاہم قرآنی وحی کا سیاق وسباق بدل گیا اور اُن واقعات کو یہود کے ساتھ معاملات اور مذاکرات کے تناظر میں پیش کیا جانے لگا جو آلِ اسرائیل کی اپنی تاریخ میں سرزد ہونے والی غلطیوں اور گستاخیوں پر بحث کر رہے تھے۔ لہٰذا اِس نوعیت کی تبدیلی کو ہم اصولی (Doctrinal) تبدیلی کی بجائے تناظری تبدیلی ہی کہیں گے۔ یہاں یہ واضح کر دیا جانا بھی ضروری ہے کہ اسرائیلیات کی صنف محض "مدنی سورتوں" کا خصوصی پہلو نہیں ہے، بلکہ شریعت و تاریخ بنی اسرائیل کے حوالہ جات "مکّی سورتوں" میں بھی موجود ہیں، جو یثرب کے یہودیوں کے ساتھ باقاعدہ میل جول سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہودِ عرب کے ساتھ معانقہ زمانہءِ قبل از نبوّت یا ہجرت سے پیشتر عہدِ وحی میں رہا تھا؟ عرب میں یہودیوں کی دو اہم بستیاں یثرب اور خیبر تھیں۔ اِس کے علاوہ صحرائے عرب میں یہودیوں کا کہیں کوئی قابلِ ذکر وجود نہیں تھا۔ فلسطین میں یہودیوں کے رہنے پر پابندی تھی، کیونکہ 70ء میں رومیوں کی جانب سے فلسطین کو فتح کر لینے کے بعد یہودیوں کو بغاوت کے خطرہ کے پیشِ نظر خطہءِ فلسطین سے جلاوطن کر دیا گیا تھا اور دوبارہ آبادکاری کی اجازت نہیں دی گئی تھی (یہ اجازت حضرت عمر فاروق نے 638ء میں فتح بیت المقدس کے موقع پر یہودیوں کو از سرِ نو دی تھی)۔ بعد ازاں جب رومی سلطنت نے چوتھی صدی عیسوی میں مسیحیت قبول کر لی تو یہودیوں کے لیے معاملاتِ زندگی اور بھی مشکل ہو گئے کیونکہ مسیحیوں نے "خدائے یہواہ" کے پیروکاروں سے چُن چُن کر بدلے لینے شروع کر دیئے۔ لہٰذا وہ مجبوراً مصر، یورپ، فارس اور ایشیائے کُوچک کے دُور اُفتادہ علاقوں کی طرف نکل گئے اور جہاں مناسب حالات میسّر آئے وہیں آباد ہو گئے۔ عین ممکن ہے کہ عرب میں بسنے والے یہودی بھی رومی و مسیحی ظلم و استبداد سے بچنے کی خاطر صحرائے عرب کی گہرائیوں میں نکل آئے ہوں اور یثرب اور خیبر میں آباد ہو گئے ہوں۔ ایسی صورت میں یہ امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہودی علماء کے ساتھ کوئی باقاعدہ میل جول رہا ہو گا۔ تاہم اگر کسی یہودی فرد کے ساتھ کوئی انفرادی مُلاقات ہوئی بھی ہو تو کیا ہم اصولاً ایسی ایک، دو یا چند ملاقاتوں سے قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی میں موجود خالص یہودی تاریخ، علومِ تناخ و تالمود اور شریعتِ موسوی کے قوانین جیسے

علومِ کثیرہ کو منسوب کر سکتے ہیں، کہ یہ سارا علم رسول اللہ (ﷺ) نے اِنہی چند ملاقاتوں میں حاصل کر لیا تھا جس کو آپ عہدِ نبوّت میں وقفہ وقفہ سے استعمال کرتے رہے؟ کم از کم عقلِ سلیم اِس بات کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتی، جبکہ فنِ تاریخ اور اصولِ تحقیق دونوں ہی اِس بات کا کوئی ثبوت فراہم کرنے سے ہمیشہ معذور رہے ہیں۔

پس یہ اعتراض کہ قرآنی اِسرائیلیات درحقیقت یہودیوں سے مسلمانوں کے باہم معانقہ کا نتیجہ ہے، نہ صرف بھونڈا مذاق ہے، بلکہ معترضین کی رگوں میں گھُسی جہالت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودی دینیات میں زمانہءِ مابعد از مسیح کے ارتقاء اور تالمود کی تحریری شکل تشکیل پانے کے عمل میں صحرائے عرب کے یہودیوں کا کوئی کردار نہیں رہا تھا۔ وہ تو پہلی صدی عیسوی سے ہی باقی آلِ یہود سے الگ تھلگ ہو کر عرب کی گمنامی میں آباد ہو گئے تھے اور اُن کو بعد میں ہونے والی مذہبی تبدیلیوں سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ اُن کا علم محض کبھی کبھار دوسرے یہودی علاقوں سے موصول ہونے والی خبروں تک ہی محدود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کی عمومی مذہبی فضاء میں تالمود اور مدراشیم کا ذکر کہیں نہیں ملتا اور نہ ہی یہودِ عرب اِن مقدّس مکتوبات کی موجودگی سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر مصدقہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے پاس تالمود کے واقعات تک رسائی کے لیے کوئی بھی مؤثر و غیر مؤثر ذریعہ سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ پس یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآنِ کریم کے بیان کردہ وہ واقعات جو تالمود میں بھی مذکور ہیں، وہ یہودِ مدینہ کی مذہبی داستانوں سے ماخوذ ہوتے؟

اگر دوسری طرف مسیحیت کے متعلق بات کی جائے تو آج تک کی دو ہزار سالہ تاریخ شاہد ہے کہ مسیحیوں کو نہ تالمود سے کبھی کوئی غرض رہی ہے اور نہ ہی اُن کا علمی معیار کبھی اِس قابل ہو سکا کہ وہ یہودی الٰہیات و دینیات کا احاطہ کر سکیں۔ تالمود سے مسیحی علماء کو اگر کوئی غرض تھی تو اتنی ہی تھی کہ اِس کے ذخیرہ کے اندر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے لیے مناسب الفاظ استعمال نہیں کیے گئے اور اُن کی توہین کی گئی ہے۔ پس یہاں مسیحیت کا کردار دفاعِ عقیدہ کے معاملہ تک ہی محدود رہا۔

ایسی صورت میں قرآن کا بنی اسرائیل کی تاریخ سے معاملہ کرنا اور کتبِ تناخ کے ساتھ ساتھ تالمود اور مدراشیم کے اندر درج باتیں بیان کر دینا کسی اعجاز سے کم نہیں۔ معلوم تاریخ سے ثابت شدہ ہے کہ بائبل کا پہلا جزوی عربی ترجمہ گیارہویں صدی عیسوی میں دستیاب ہوا، جبکہ اِس سے پہلے ایسا کوئی مخطوطہ یا مصحف موجود نہ تھا جسے محمد (ﷺ) بطورِ ماخذِ اسرائیلیات استعمال کر سکتے۔ اسلامی علوم میں اسرائیلیات کی باقاعدہ شمولیت وسطی دورِ صحابہ کی بات ہے، جب کعب الاحبار اور وہب بن منبہ وغیرہ نے اپنے یہودی علمی پسِ منظر کے بل بوتے پر مسلمانوں کو اسرائیلیات کی باقاعدہ تعلیم دینا شروع کی۔ اِن اصحاب سے پہلے کوئی ایسا سلسلہ موجود نہ تھا جس سے علومِ اسرائیلیات کا حصول ممکن ہوتا۔ واضح رہے کہ یہ دونوں اصحاب زمانہءِ تابعین سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر طے شدہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے لیے اسرائیلی تاریخ تک رسائی کے علمی ذرائع قطعی طور پر ناپید تھے۔ اِسی طرح آپ بنی اسرائیل کے خطِ تاریخ (History Timeline) کا بھی ظاہری دُنیوی ذرائع سے کوئی علم نہ رکھتے تھے۔ لہٰذہ یہ قیاس آرائی کرنے میں حرج نہیں کہ اگر قرآن محمد (ﷺ) اپنی تصنیف ہوتا تو ایسی حساس صورتحال میں اِس امر کا کُلی

امکان موجود تھا کہ قرآن موسیٰؑ کو داوٗدؑ کے بعد کی کوئی شخصیت قرار دے دیتا یا پھر ابراہیمؑ کو نوحؑ سے پہلے کے زمانے میں رکھ دیتا۔ اِسی طرح یہ بھی ممکن تھا کہ محمد (ﷺ) حضرت عزیرؑ کو بُخت نصر کی تاراجِ یروشلم سے پہلے کی تاریخ میں داخل کر دیتے۔ یقیناً خالصتاً انسانی کاوش کے نتیجہ میں اِس بات کا صد فیصد امکان تھا کہ تاریخی نوعیت کی ایسی کئی اغلاط سامنے آ جاتیں جس سے اسلام کا پورے کا پورا فلسفہ اور دینی "تھیسز" ہی اُلٹ جاتا۔ تاہم ایسا نہ ہوا اور ہر بات تاریخِ بنی اسرائیل کے عین مطابق بیان کی گئی جس پر خود یہودی بھی انگشتِ بدنداں تھے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ محمد (ﷺ) کوئی مؤرخ نہیں تھے جو فنِ تاریخ کی پیچیدگیوں سے واقف ہوتے اور جنھوں نے کسی معروف مؤرخ کی شاگردی کر کے تاریخ نگاری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ (ﷺ) ایک اُمّی ہستی تھے، جنھوں نے کسی بھی شعبۂ علم یا فن کاری کی کوئی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔

گفتگو کی اِس نہج پر پہنچ کر اِس بات کا اظہار ضروری ہے کہ قرآن نے محض اسرائیلی واقعات ہی نہیں، بلکہ زمانۂ قدیم کی ہر چیز خطِ تاریخ کے عین مطابق پیش کی ہے۔ لہٰذا قرآنی تاریخ بائبل و تالمود کی نسبت نہ صرف صحیح ترین ہے، بلکہ یہ اسرائیلیات کے مؤرخین کی تاریخی اغلاط کو بھی ہر درجہ تک دُرست کرتی ہے۔ یاد رہے کہ تاریخ کے متعلق یہ دعویٰ بنا ثبوت نہیں ہے، کیونکہ ہم اِس کے ثبوت ذیل میں پیش کرنے جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر بائبل مقدس کی کتابِ پیدائش جب حضرت ابراہیمؑ کا سفر مصر بیان کرتی ہے تو بادشاہِ مصر کو "فرعون" کہہ کر پکارتی ہے۔ یہ ایک صریح تاریخی غلطی ہے، جسے اصولِ تاریخ کی زُبان میں Anachronism کہتے ہیں۔

"اور یُوں ہوا کہ جب ابرام مصر میں آیا تو مصریوں نے اُس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرعون کے اُمرا نے اُسے دیکھ کر فرعون کے حضور میں اُس کی تعریف کی اور وہ عورت فرعون کے گھر میں پہنچائی گئی[1]۔"

اِسی طرح بائبل یوسفؑ کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے بھی بادشاہِ مصر کو "فرعون" ہی کے لقب سے ملقب کرتی ہے، جبکہ یہ زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے محض تین پُشتیں بعد کا زمانہ ہے۔ بائبل کی کتابِ پیدائش میں تحریر ہے:

"تب یُوسف نے فرعون سے کہا کہ فرعون کا خواب ایک ہی ہے۔ جو کچھ خُدا کرنے کو ہے اُسے اُس نے فرعون پر ظاہر کیا ہے[2]۔"

دلچسپ امر یہ ہے کہ "فرعون" کا لقب مصری بادشاہت کے نئے دورِ سلطنت (New Kingdom) کے بادشاہ نے پندرہویں صدی قبلِ مسیح میں اختیار کیا تھا جو کہ اصلاً مصری لفظ "پار-آ" (عربی، فار-آ) تھا، جس کا مطلب ہے "عظیم محل"۔ مصری بادشاہ کے لیے اختیار کیا گیا یہ خطاب مصری فرمانروا "توت موسس" کے دور میں سامنے آیا تھا جس کا ثبوت ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو مصری مقبروں کی دریافتوں سے ملا ہے۔ اِس سے قبل مصر کے بادشاہ کو "بادشاہ" ہی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ اکیسویں صدی قبل مسیح سے اُنیسویں صدی قبل مسیح کے درمیان کا

---

[1] کتابِ پیدائش، باب 12، آیات 14 تا 15

[2] کتابِ پیدائش، باب 41، آیت 25

ہے، لہٰذا یہ بات تاریخی طور پر مسلمہ ہے کہ مصری بادشاہ اُس دور میں کوئی بھی خطاب رکھتے ہوں، کم از کم "فرعون" نہیں کہلواتے تھے۔ تاہم، اِس حقیقت کے باوجود بائبل نے ابراہیمؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مصری بادشاہ کو فرعون کہہ کر ہی مخاطب کیا۔ یہ تاریخی غلطی قرآن کے اِس مقدمہ کو اور مضبوط کرتی ہے کہ بائبل تحریف شدہ ہے۔

جب ہم دوسری طرف یہ واقعہ قرآن میں دیکھتے ہیں، تو قرآن بائبل کی یہ غلطی درُست کرتا ہوا نظر آتا ہے، کیونکہ قرآن حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں فرعون کا تذکرہ بالکل نہیں کرتا، جبکہ حضرت یوسفؑ کے واقعاتِ مصر میں مصری بادشاہ کو فرعون کہنے کی بجائے "بادشاہ" (عربی، "مَلک") کے عمومی عنوان سے ہی مخاطب کرتا ہے۔ تاہم جب یہی بات حضرت موسیٰؑ کے زمانہ پر پہنچتی ہے، جو کہ پندرہویں یا چودھویں صدی قبل مسیح کا واقعہ ہے، تو مصری بادشاہ کے لیے قرآن "فرعون" کا لقب ہی استعمال کرتا ہے، جو تاریخی تناظر میں صد فیصد درُست ہے۔ ہم قرآن میں اِس احتیاط اور فرق کو یہاں ایک نظر دیکھ لیتے ہیں۔

"اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں، جنہیں سات پتلی گائیں کھا رہی ہیں[1]۔۔۔"

"اور اُن کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کیا۔ پس اُنہوں نے تکبر کیا اور مجرموں میں شامل ہو گئے[2]۔"

پس اِس مثال سے ثابت ہوا کہ قرآنِ کریم نے بائبل و تالمود میں مذکورواقعات، تصورات اور تاریخ کی تصحیح کی ہے۔ اِس لیے جہاں جہاں بھی قرآن اور بائبل میں واقعات کے بیان میں فرق آتا ہے اور قرآن کی جانب سے اضافی معلومات فراہم کی جاتی ہیں، اُسے چربہ، غلطی، تحریف، ذاتی تخلیق یا موضوع روایت سمجھنے کی صریح غلطی نہیں کی جانی چاہیے، کیونکہ اِس کو ذرائع تاریخ سے کبھی ثابت نہیں کیا جا سکے گا۔ درحقیقت، قرآن کی جانب سے ایسا کیا جانا محض اصل تاریخ کا بیان ہے، کیونکہ وقت کی توڑ پھوڑ نے بائبل اور تالمود کے اندر بھی اپنے نقوش چھوڑ دیئے تھے اور وحی کے بیانات انسانی اضافوں کے بعد اپنی اصلی شکل سے ہٹ گئے تھے۔ لہٰذا اُن کو اصل شکل میں بحال کرنا از حد ضروری تھا۔

اِسی طرح اسرائیلیات کے ایک اور اہم واقعہ کا ذکر یہاں اِسی ضمن میں ضروری ہے۔ یہ واقعہ "ہامان" کا ہے جس کو بائبل کی کتاب "آستر" (Esther) نے سلطنتِ فارس کے شہنشاہ "ہوشیار شاہ" (Xerxes) کا درباری اور ماہرِ تعمیرات بتایا ہے۔ دوسری طرف قرآنِ کریم ہامان نامی شخص کو مصری بادشاہ فرعون کے دربار میں رکھ کر دکھاتا ہے اور اُس کو ماہرِ تعمیرات ہی قرار دیتا ہے۔ چونکہ بائبل قرآن سے پہلے لکھی گئی، لہٰذا اکثریت کا یہی ماننا ہے کہ قرآن کا نقطہءِ نظر اِس موضوع پر غلط ہے اور محمد (ﷺ) کو معاذ اللہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ایسا معلوم ہوا۔ یہی

---

[1] سورہ یوسف، آیت 43

[2] سورہ یونس، آیت 75

وجہ ہے کہ صدیوں سے مسیحی قرآنِ کریم کے اِس بیان کا مذاق اُڑاتے آ رہے ہیں۔ حالانکہ سچائی خود یہود و نصاریٰ پر آج کھل رہی ہے اور وہ اِس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ "آستر" نامی کتاب، جو بائبل کے عہدِ نامہ قدیم میں شامل ہے، ایک تاریخی افسانہ (Historical Fiction) ہے جو یہودیوں کی بُختِ نصر کے ہاتھوں "بابل" (Babylon) کی طرف جلاوطنی کے بعد اُن کی دلجوئی کے لیے لکھا گیا تھا۔[1]

آیئے اب اِس موضوع پر قرآن کا مقدمہ بھی دیکھتے ہیں۔

"فرعون نے کہا: اے ہامان، میرے لیے اُونچا محل بناؤ، تاکہ میں راستوں تک پہنچ سکوں[2]۔"

دلچسپ امر یہ ہے کہ مصر میں آثارِ قدیمہ کی چند اہم دریافتوں نے یہ عُقدہ بھی کھول دیا ہے۔ اوّل تو "ہامان" مصری زُبان کا ہی لفظ ہے، جس کو مصری "ہ-م-ن" (HMN) سے لکھتے تھے، جبکہ علمِ لِسانیات کے مطابق اِس طرز کا نام فارسی الاصل نہیں ہے اور نہ قدیم فارس میں کہیں مستعمل تھا، کیونکہ اِس کے ہجے فارسی اصولوں پر پورے نہیں اُترتے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آسٹریا کے شہر ویانا کے Kunsthistorisches Museum میں رکھے گئے ایک تختی نُما قدیم مصری پتھر پر واضح لفظوں میں ہامان کا نام لکھا ہے اور ہامان کو فرعون کے دربار کا ماہرِ تعمیرات ہی بتایا گیا ہے۔ لہٰذا اِس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ ہامان فرعونِ مصر کے ہی دربار میں ملازم تھا۔ جو قارئین اِس حوالہ پر مشکوک ہیں، وہ Egyptian Treasures in Europe کا پانچواں حصہ دیکھ سکتے ہیں۔ اِس کے علاوہ ایک اہم استدلال جو قرآن کے حق میں جاتا ہے وہ اُونچی تعمیرات کی کثرت کے متعلق ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ بلند و بالا قدیم عمارتوں کے لیے سرزمینِ مصر معروف ہے، فارس نہیں۔ مصر میں انتہائی اونچے اہرام موجود ہیں، جبکہ تاریخی شہر "لکسور" کا شاہی محل اپنی طرز کا ایسا عجوبہ ہے جو دیوہیکل ہونے کے ساتھ ساتھ فنِ تعمیر کا شاہکار بھی ہے۔ لہٰذا یہاں بھی بات صاف ہو جاتی ہے کہ قرآن نے بائبل سے مواد نقل نہیں کیا، بلکہ قرآن کا ماخذ وحیِ الٰہی ہے اور قرآن بلاشبہ بائبل میں شامل کردہ انسانی اِضافوں اور اغلاط کو دُرست کرتا ہے۔

اِس ضمن میں تیسرا اہم واقعہ فرعون کے بحیرہِ احمر میں ڈوبنے کر مرنے کا ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم کی سورہ یُونس میں آیا ہے۔ یہ واقعہ تب پیش آیا تھا جب مصر سے بنی اسرائیل کے خرُوج کے وقت فرعون اپنے لاؤلشکر سمیت اُن کا پیچھا کر رہا تھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) حکمِ الٰہی سے بحیرہ احمر کے پانیوں پر اپنا عصاء مار کر خُشک راستہ حاصل کر چکے تھے۔ ایسے موقع پر جبکہ بنی اسرائیل سمندری پانی کی فصیلوں کے درمیان چل کر سمندر پار کر رہے تھے، تو فرعون کو کنارے پر کھڑے کھڑے یہ منظر دیکھ کر خیال گزرا کہ غلاموں کی اتنی بڑی تعداد یُوں ہاتھوں سے جانے نہیں دی جا سکتی، لہٰذا سمندر کے اندر بھی اُن کا پیچھا جاری رکھنا چاہیے۔ پس وہ بنی اِسرائیل کے پیچھے پانی کے اندر بنے خُشک راستے پر اُتر گیا۔ تاہم جیسے ہی وہ پانی کی فصیلوں کے درمیان پہنچا تو آگے پیچھے سے پانی باہم مِلنا شروع ہو گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت وہیں

---

1 Universal Jewish Encyclopedia: آرٹیکل - Esther

2 سورہ مومن، آیت 36

غرقاب ہو گیا۔ یہاں تک بائبل مقدس اور قرآنِ مجید کا بیان تقریباً مماثل ہے۔ لیکن اِس سے آگے فرعون کے ساتھ کیا معاملہ ہوا، اِس پر بائبل خاموش ہے، جبکہ یہ گرہ قرآن ایک واضح اعلان کے ساتھ 1400 سال پہلے کھول چکا ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ:

"اور پانی پلٹ آیا اور اُن نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا غرق کر دیا اور ایک بھی اُن میں سے باقی نہ چھوٹا[1]۔"

گفتگو کے اِس مرحلے پر سورہ یُونس کی آیت 92 خاص طور پر اہم ہے، جہاں ایک وقت میں تین الگ الگ جہتوں کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اعجازِ قرآن کا ایک اور ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے۔

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا، جبکہ فرعون اور اُس کے لشکر نے سرکشی اور تعدّی سے اُن کا تعاقب جاری رکھا، یہاں تک کہ پانیوں نے آن گھیرا۔ اِس پر وہ پُکارا کہ میں ایمان لایا اُس (خدا) پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔ (کہا گیا) اب یہ (فرمانبرداری) اور پہلے سرکشی و فساد کرتا رہا؟ تو آج ہم تمہارے وجود کو تمہارے جسم میں محفوظ کر دیتے ہیں، تاکہ تو آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت رہے، اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں[2]۔"

سورہ یُونس میں فرعون کے ماضی کے کردار اور موت کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ وہ الفاظ بھی درج کیے گئے ہیں جو فرعون نے اُس وقت کہے تھے جب وہ ڈوب رہا تھا۔ تاہم یہاں سب سے اہم بات جو قرآن کو بائبل سے ممتاز بناتی ہے وہ فرعون کے جسم کو محفوظ رکھنے کی پیش گوئی ہے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں جسم کی نجات کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ فرعون کا جسم بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے ایک نشانی ہو گی۔ قرآن کا یہ بیان بائبل کے بیان میں اضافہ کرتا ہے اور بائبل اِس سے قطعی طور پر لاعلم ہے۔ یہاں صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قرآنِ کریم فرعون کی لاش کے محفوظ کر دیئے جانے کا ذکر کر رہا ہے اور یہ بات زور دے کر کہی جا رہی ہے کہ دُنیا میں سرکشی اور اللہ کا انکار کرنے والا خود ایک نشانِ عبرت بن جائے گا۔ یہاں حیران کُن طور پر جو بات قابلِ توجہ ہے وہ قرآن کا مصری فنِ حنوط سازی (Mummification) کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ مصریوں نے فرعون کی لاش کو پانی سے نکال کر حنوط کر دیا اور انتہائی محفوظ انداز میں اُس کے مقبرہ میں رکھ دیا تھا۔ بعد ازاں یہی لاش مصر کی معرُوف "مُردوں کی وادی" (Dead Valley) سے 1898ء میں دریافت کی گئی۔ بعد ازاں اِس پر ایک فرانسیسی سرجن "ڈاکٹر مورائس بُوکائیے" نے 1970ء کی دہائی میں تحقیق کی اور نتیجہ یہ نکالا کہ اِس ممّی میں موجود فرعون کی موت پانی میں ڈوب کر غوطے کھانے اور جھٹکے لگنے سے ہوئی تھی۔ ڈاکٹر مورائس بوکائیے نے ان دریافتوں کو اپنی مشہورِ زمانہ کتاب The Bible, the Quran and Science میں درج کیا، جبکہ اِس کے کچھ عرصہ بعد ہی اسلام بھی قبول کر لیا۔

---

[1] خروج، باب 14، آیت 28

[2] سورہ یونس، آیات 90 تا 92

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضرت محمد (ﷺ) کو کیسے معلوم ہوا کہ فرعونِ موسیٰؑ کی لاش محفوظ کر کے مصری مقبرہ میں رکھ دی گئی ہے اور وہ ایک دن منظرِ عام پر آجائے گی؟ یاد رہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ (ﷺ) کی بعثت سے کم و بیش دو ہزار سال قبل پیش آیا تھا۔ ماضی میں پیش آچکے کسی نامعلوم واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کو انگریزی میں Postdiction کہتے ہیں، جو مستقبل کی طرف کی گئی پیشین گوئی سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

بعض معترضین نے اِس پیش گوئی کو کسی اور انداز میں لے کر اِس پر یہ اعتراض لگا دیا کہ قرآن فرعون کے ایمان لے آنے پر اُس کی نجات اور پانی سے بچ نکلنے کی بات کر رہا ہے، حالانکہ قرآن کے سیاق و سباق اور اِس آیت کے تناظر سے کہیں بھی یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ نجات سے مُراد فرعون کا زندہ بچنا اور دولتِ ایمان کے ساتھ باقی زندگی گزارنا تھا۔ یہودی کتاب "مدراش ملکوت"(Midrash Malkut) میں یہ ذکر موجود ہے کہ فرعون کو بُحیرہ احمر سے خدا نے زندہ بچا لیا تھا۔ تاہم قرآن کا بیان اُس سے قطعی مختلف ہے اور مُستقبل بعید کی طرف ایک اہم پیش گوئی کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم میں شروع سے آخر تک فرعون کو ایک ملعُون شخص کے طور پر ہی پیش گیا گیا ہے جو ہمیشہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہا۔

حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آئے آتشِ نمرود کے واقعہ پر بحث ہم ایک الگ مضمون ("آتشِ نمرُود پر الحادی فِکر کا احاطہ[1]") میں کر چکے ہیں اور قرآنی مؤقف پر اُٹھائے گئے ملحدانہ اعتراضات کا پوری طرح سے ابطال کر چکے ہیں۔ اِسی طرح قرآن کے اندر پیش کردہ مسیحیت کی عمومی تصویر، بالخصوص اِس کے تصورِ تثلیث اور حضرت مریمؑ کی شخصیت و کردار کے حوالے سے بھی جامع گفتگو ایک اور مضمون ("قرآنِ کریم اور مسیحی عقیدہ تثلیث") میں ہو چکی ہے۔ لہٰذا اِس سب کے یہاں دُوہرائے جانے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اِس کا سرسری تذکرہ یہاں اِس لیے ضروری ہے کیونکہ یہ اسرائیلیات کے ہی دیگر پہلو گردانے جاتے ہیں اور موجودہ مضمون اُسی مباحث کا تسلسل ہے۔

اُمید ہے کہ مُلحد احباب آئندہ قلم اُٹھانے سے پہلے تھوڑی سی تحقیق کر لیں گے۔ تاہم وہ جب بھی خلوصِ دل سے معروضی تحقیق کریں گے تو اُن کے سامنے صرف ایک ہی بات واضح ہو کر آئے گی کہ:

"حق آچکا اور باطل مٹ چکا، بے شک باطل کو تو مٹنا ہی تھا۔"

---

[1] مضمون کے لیے دیکھیں: الاسلام رئیل: شمارہ نمبر 1

ویسے تو عقیدہ ختم نبوت ﷺ تقریبا210 سے زائد احادیث مبارکہ سے ثابت ہے لیکن اس سبق میں ہم عقیدہ ختم نبوت ﷺ پر 10 احادیث مبارکہ پیش کریں گے۔

حدیث نمبر1:

عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ ؓ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:

مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنۡبِيَاءِ مِنۡ قَبۡلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بُنۡيَانًا فَأَحۡسَنَهُ وَأَجۡمَلَهُ، إِلَّا مَوۡضِعَ لَبِنَةٍ مِنۡ زَاوِيَةٍ مِنۡ زَوَايَاهُ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعۡجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتۡ هَذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ[2]۔

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین و جمیل محل بنایا مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد گھومنے اور عش عش کرنے لگے۔ اور یہ کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ لگادی گئی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

میں وہی اینٹ ہوں اور نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔"

حدیث نمبر2:

عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ ؓ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:

1مفتی سعد کامران: فاضل علوم اسلامیہ، ایم فل سکالر

2مسلم: حدیث نمبر5961، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ۔[1]

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مجھے 6 چیزوں پر انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی۔

1۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔

2۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔

3۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا۔

4۔ روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا۔

5۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا۔

6۔ مجھ پر تمام نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

حدیث نمبر3:

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِعَلِيٍّ: «أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي[2]۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علیؓ سے فرمایا:

"تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

حدیث نمبر4:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ۔[3]

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مسلم: حدیث نمبر 1167، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ

[2] مسلم: حدیث نمبر 6217، باب من فضائل علیؓ بن ابی طالب

[3] بخاری: حدیث نمبر 3455، باب ذکر عن بنی اسرائیل

"بنی اسرائیل کی قیادت خود ان کے انبیاءؑ کرتے تھے جب کسی نبیؑ کی وفات ہو جاتی تھا تو دوسرا نبی اس کی جگہ آجاتا تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہونگے۔"

حدیث نمبر5:

عَنْ ثَوْبَانَ ؓ،قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِﷺ:وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔[1]

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری امت میں 30 جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک کہے گا کہ میں نبی ہوں۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

حدیث نمبر6:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ، فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ۔[2]

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی۔"

حدیث نمبر7:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،قَالَ رَسُولُ اللّٰہِﷺ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ""نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ۔[3]

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہم سب کے بعد آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہونگے۔ صرف اتنا ہوا کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔"

حدیث نمبر8

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِﷺ: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔

---

[1] ترمذی حدیث نمبر 2219، باب ماجاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون

[2] ترمذی: حدیث نمبر 2272، باب ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات

[3] بخاری: حدیث نمبر 896، باب ھل علی من لا یشھد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن خطاب ہوتے۔"

حدیث نمبر9:

"عن جبیر بن مطعم قال سمعت النبی ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان لی اسماء، وانا محمد، وانا احمد،وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر، وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی، وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبی" [1]

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میرے چند نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی یعنی مٹانے والا ہوں کہ میرے ذریعے اللہ کفر کو مٹائیں گے۔ اور میں حاشر یعنی جمع کرنے والا ہوں۔ کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں۔ اور میں عاقب ہوں یعنی سب کے بعد آنے والا ہوں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں

حدیث نمبر10:

عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

"بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ هَكَذَا" [2]

حضرت سہلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔

(یعنی جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان کوئی اور انگلی نہیں اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور ایسا انسان نہیں آئے گا جس کو نبوت دی جائے گی)

ان دس احادیث مبارکہ سے بھی یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ نبیوں کی تعداد حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پوری ہو گئی ہے اور حضور ﷺ کے بعد نبیوں کی تعداد میں کسی ایک نبی کا اضافہ بھی نہیں ہو گا۔

"عقیدہ ختم نبوت اور قادیانی دھوکہ"

عقیدہ ختم نبوت پر ہمارا یعنی مسلمانوں کا اور قادیانیوں کا اصل اختلاف یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبیوں کی تعداد حضور ﷺ تشریف لانے سے مکمل ہوئی۔

---

[1] مشکوٰۃ: حدیث نمبر 5776، باب اسماء النبی ﷺ وصفاتہ

[2] بخاری: حدیث نمبر 6503، باب قول النبی ﷺ بعثت انا والساعۃ کھاتین

جبکہ قادیانی کہتے ہیں کہ نبیوں کی تعداد نعوذ باللہ مرزا غلام احمد قادیانی کے آنے سے مکمل ہوئی۔ ہم حضور ﷺ کو نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ مانتے ہیں جبکہ قادیانی نعوذ باللہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ مانتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا جبکہ قادیانی کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا۔

ذیل میں چند حوالے پیش خدمت ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ اور آخری نبی سمجھتے ہیں۔

حوالہ نمبر1:

مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"مسیح موعود کے کئی نام ہیں منجملہ ان میں سے ایک نام خاتم الخلفاء ہے یعنی ایسا خلیفہ جو سب سے آخر میں آنے والا ہے۔[1]"

حوالہ نمبر2:

مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"پس خدا نے ارادہ فرمایا کہ اس پیشگوئی کو پورا کرے اور آخری اینٹ کے ساتھ بناء کو کمال تک پہنچادے۔ پس میں وہی اینٹ ہوں[2]۔"

حوالہ نمبر3:

مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں۔ اس لئے بروزی نبوت مجھے عطا کی گئی۔ اور اس نبوت کے مقابل پر تمام دنیا اب بے دست وپا ہے۔ کیونکہ نبوت پر مہر ہے۔

ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانے کے لئے مقدر تھا سو وہ ظاہر ہو گیا۔ اب بجز اس کھڑکی کے کوئی اور کھڑکی نبوت کے چشمہ سے پانی لینے کے لئے باقی نہیں رہی[3]۔"

---

[1] چشمہ معرفت صفحہ 318 مندرجہ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 333

[2] خطبہ الہامیہ صفحہ 112 مندرجہ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 178

[3] ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 6 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 215

حوالہ نمبر4:

مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء، قطب، ابدال وغیرہ اس امت میں سے گزر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے صرف میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں[1]۔"

حوالہ نمبر5:

مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"ہلاک ہوگئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہیں کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی راہوں میں سب سے آخری راہ ہوں۔ اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بد قسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے۔ کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے[2]۔"

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ 391 مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406

[2] کشتی نوح صفحہ 56 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 61
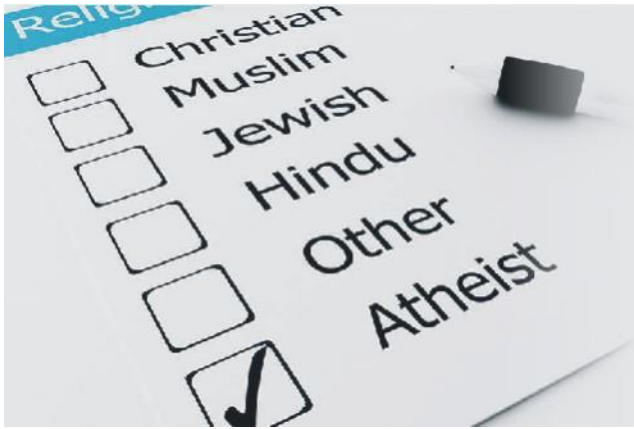
مشہور دانش ور محترم اشفاق احمد مرحوم نے کیا خوب فرمایا ''اگر کوئی شخص اسلام کے خلاف بولنا چاہتا ھے مگر معاشرتی دباؤ کی وجہ سے زبان نہیں کھولتا تو وہ مولوی کے خلاف ضرور بولے گا''۔ انسان کو منافقانہ طرز عمل سے ہمیشہ نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ جب کوئی چیز رنگ بدل کر سامنے آتی ہے تو بھلی محسوس ہوتی ہے لامذہبیب کو آزادی، فحاشی کو حقوق نسواں کا نام دینا اسی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ نام نہاد مغرب پرست جدیدیت کی آڑ میں الحاد کا دروازہ کھولنے میں نہ صرف مگن بلکہ سرگرم ہیں۔ ان کا ہدف مذہبی بیزاری اور فحاشی کو جنم دینا ہے۔ اسے وہ مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں۔ جمہور کا تعلق سائنسی شعبہ جات سے ہے۔ ان میں زیادہ تر یونیورسٹیز کے طلبا و طالبات سر فہرست ہیں۔ خاص طور پر وہ طلبہ جو تعلیمی تقاضوں کے تحت بیرون ملک زیرِ تعلیم ہیں۔ اسلام کے بہترین نظامِ زندگی سے عدم واقفیت اور نام نہاد مغربی تمدن کی طرف میلان آہستہ آہستہ عالمِ اسلام کے لیے خطرناک صورتحال پیدا کر رہا ہے۔ ہم جس معاشرے میں بس رہے ہیں، ملحدین اسے بنیاد پرست اور تنگ نظر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف اور صرف مادی ترقی مطلوب و مقصود ہے اور مذہب پرانے لوگوں کی ذہنی تسکین کے لیے ایک شوشہ تھا اب ہر چیز کے متعلق معلومات وافر میسر ہیں سائنس نے ہر چیز کو تسخیر کر لیا ہے۔ شعور بیدار ہو چکا ہے لہذا کی قطعی حاجت نہیں رہی۔ مذہب کو یہ لوگ سائنس کا دشمن سمجھتے ہیں۔ اس لیے مذہب سے کلی طور پر چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ دین کی حقیقی شناخت سے ناآشنا ہیں؟

ضرورتِ دین، حجیتِ دین اور حفاظتِ دین کو یکسر طور پر جانچیں تو صاف عیاں ہوتا ہے کہ صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جو حقیقی مقررہ معیار کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ ہمیں ملحدین کی اصلی شناخت اور اس وائرس کی بندش کے لیے ان کے افکار کا جائزہ لینا ہو گا۔

مقصدِ حیات کیا ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جو بذاتِ خود اپنے اندر سچائی کا تجسس رکھتا ہے۔ سائنس اس سوال کا جواب دینے کے سے عاجز ہے۔

---

1 عبداللہ اسد: طالبعلم تقابل ادیان

فلاسفہ اوراہل مذہب اپنے تئیں ضرور کوئی نہ کوئی جواب دیتے ہیں۔ مگر ملحدین مذہب فوبیا کی وجہ سے کوئی معقول مقصد نہیں بتاتے۔ بعض کھل کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم حادثاتی طور پر پیدا ہوئے ہیں۔ دنیا میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینا ہے پھر مر جانا ہے۔ بعض کے نزدیک انسانیت کی بھلائی مقصدِ حیات ہے۔ حالانکہ سب سے بہتر اس بات کا جواب اسلام نے دیا ہے جس کو مان کر انسانیت کی بھلائی، خدا کی بندگی اور دنیاوی ترقی جیسے شعبہ جات میں ہر کوئی معراج حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام کو اگر ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ انمول لفظ ''حقوق'' ہو گا۔ جن کی ادائیگی میں زندگی کی مقصدیت کا اصلی راز پنہاں ہے۔ حقوق اللہ کی ادائیگی انسان کی روحانی ترقی کے لیے انتہائی مفید اور ناگزیر ہیں۔ جبکہ حقوق العباد کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر شخص کا دوسرے پر کوئی نا کوئی حق ہے۔ اگر حقوق العباد ہی کی صحیح شناخت ذہن میں بیٹھ جائے تو یقیناً انسانی زندگی کے لامتناہی پہلوؤں میں اس قدر متوازن اور زرخیز صورت پیدا ہو سکتی ہے جس کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس لیے اسلام نے ان پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ یہی کامیاب زندگی گزارنے کا بہترین نسخہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمیشہ انسانی خواہش انصاف نہیں کر سکتی۔ لامذہبوں کے نزدیک ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مرضی سے اپنے لیے اصول وضوابط مرتب کر لے۔ یہ چیز وحشت ناک حقائق سے مزین ہے۔ انسانی خواہش تو سراسر اپنی تکمیل کے لیے صرف راہ نمائی کرتی ہے۔ اگر عقلی معیار بھی اس کے تابع ہو جائے تو نتیجہ مضحکہ خیز جنم لے گا۔ عدل وانصاف کا جنازہ نکل جائے گا عام طور پر ہر ملحد یہ اعتراض کرتا ہے کہ مذہب آزادی کو سلب کرتا ہے۔ شاید ملحدین کی نظر میں آزادی یہ ہے کہ انھیں حرکات وسکنات کی رتی برابر بھی روک تھام نہیں ہونی چاہیے۔ بظاہر یہ معاملہ انتہائی خوش نما ہے۔ حقیقت میں وحشت ناک ہے۔ اگر لامذہبوں کے یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جائیں تو بقائے انسانی یقیناً خطرات کا شکار ہو جائے۔ شرعی قوانین وضوابط ایک متوازن ماحول فراہم کرتے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر ہی معاشرے کا نظم ونسق چل سکتا ہے۔ ورنہ ہر کوئی اپنی خواہش ومرضی سے ظلم وستم، ناانصافی اور خودغرضی سے ایسے معاشرے کو جنم دے گا جسے کوئی عقل مند قبول نہیں کر سکتا۔ اگر ملحدین کی خواہش کے مطابق ان کے ضوابط نافذ ہو جائیں ہر شعبہ ہائے زندگی میں ان کی مرضی چلے تو اجتماعی طور پر ایک مذہب پھر پیدا ہو جائے گا۔ جس کی جامعیت وحقانیت کی کوئی گارنٹی نہیں۔

فحاشی کے علمبردار:

الحاد سرگرمیوں کی کاوشوں سے ذہنی آوارگی کے نتیجہ میں جنسی آزادی کا منفی تصور ابھرا۔ ان کے نزدیک جیسے انسان دوسری ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کرتا ہے ویسے جنسی خواہش پوری کرنے میں کوئی روک تھام نہیں ہونی چاہیے البتہ فریقین کی رضامندی کے ساتھ. یہ الحادی نکتہ نظر ہے۔ اسے فری سیکس سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دنیائے مغرب میں ایک اندازے کے مطابق اس کا تصور ایک ماہر نفسیات نیورلوجسٹ سگمنڈ فرائڈ(1856۔1939)نے کھل کر پیش کیا۔ فرائڈ کے مطابق جیسے دوسری جسمانی ضروریات پوری نہ کرنے سے انسان بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے ایسے ہی جنسی خواہش پوری نہ کرنے سے انسانی نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ اس نظریے کو اس طبقے میں خاص مقبولیت ملی جن

میں جوش زیادہ اور ہوش کم تھا۔ فلمی دنیا نے اس نظریے کو عملی جامے پہنانے کے لیے بہت تگ ودو سے کام لیا۔ سلوپوائزنگ کے مراحل طے کرکے رفتہ رفتہ پورنوگرافی کو متعارف کرایا گیا۔ اسی سلسلے کے تحت ہم جنس پرستی کو بھی فروغ ملنے لگا۔ حقوق نسواں کے نام پر فحاشی پھیلانے میں ملحدین اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ جس کے عملی مظاہرے میرا جسم میری مرضی کی صورت میں وقوع پذیر ہورہے ہیں۔ معاشرے میں تخریب کاری کے ایسے ہتھکنڈوں کو سمجھنا اوران کا سدباب کرنا نہایت ضروری ہ

پہلی آسمانی کتب میں آخری نبی مرسل ﷺ کے حوالے سے یہود و نصاریٰ اور اہلِ اسلام کے علمی حلقوں میں تمحیث و تکرار کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس حوالے سے علمائے اسلام کا کیا نقطہ نظر ہے اس مضمون میں ہم اس کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے اور دیگر افکار کا ضمناً تنقیدی بھی جائزہ لیں گے۔ عصبیت علم و عرفان کی متضاد ہے، کسی طبقے یا نظریے کی جانب جھکاؤ یا تو حقائق سے دور رکھتا ہے یا پھر انھیں تسلیم کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ لیکن اگر مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر دلائل کی منصفانہ چھان پھٹک کی جائے تو حقائق سے پردہ یقیناً اُٹھ جاتا ہے۔

اول الذکر Old Testament سے غزل الغزلات (Song of Solomon) میں 5:16 کا حوالہ سب سے زیادہ ضروری ہے کیوں اس میں مسلمانوں کے نقطہ نظر کے مطابق محمد ﷺ کے ذاتی نام (Personal Noun) کا ذکر موجود ہے لیکن یہودیوں کا کہنا ہے کہ یہاں מַחֲמַדִּ سے مراد وہ نہیں ہے جو مسلمان لے رہیں ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ غزل الغزلات دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُن کی بیوی کے مابین ایک مکالمہ (ایک معاشقہ) ہے جس میں מַחֲמַדִּ انھوں نے اپنے شوہر کی تعریف میں کہاہے اور اس سے انگریزی تراجم میں Lovely کے اور اردو میں "سراپا عشق انگیز" کے معنی لیے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر افکار بھی موجود ہیں جن کا تذکرہ آگے ذیل میں بالتفصیل کیا جائے گا۔

5:16 عبرانی زبان میں عبارت:

חִכּוֹ֙ מַֽמְתַקִּ֔ים וְכֻלּ֖וֹ מַחֲמַדִּ֑ים זֶ֤ה דוֹדִי֙ וְזֶ֣ה רֵעִ֔י בְּנ֖וֹת יְרוּשָׁלִָֽם׃

English Translation:

“His mouth is sweetness; yes, he is altogether lovely. This is my beloved, and this is my friend, daughters of Jerusalem[2].’’

---

[1] ابوالحسن رازی میو: محقق تقابل سماویہ

[2] Song Of Solomon 5:16

ترجمہ: "اُس کا منہ از بس شیرین ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا[1]۔"

معروف آن لائن ویب ایپ "بائبل ہب[2]" پر مختلف مستند مترجمین، اداروں اور ویب ایپس کے قریباً 30 تراجم دکھائے جاتے ہیں جو کہ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ ذیل میں بائبل ہب کے سکرین شُوٹس دکھائے گئے ہیں۔

جس میں **מַחֲמַדִּים** کے انگریزی ہجے اس طرح دکھائے گئے ہیں **ma-ha-mad-dim** آخری **dim** کا استعمال عبرانی زبان کے قوائد کے مطابق کسی مقدس ہستی کے ادب و احترام کی غرض سے کیا جانے والا اضافہ ہے جو کہ عبرانی زبان میں لفظ **מַחֲמַד** کو محمد ﷺ ہی کے لیے خاص ہونے کی ایک قوی دلیل ہے۔ اب اگر مذکورہ بالا ترجمے کو یوں لکھا جائے تو معنی و مفہوم اپنی اصل رخ پر آجاتے ہیں۔

"His mouth is sweetness; yes, he Muhammad. This is my beloved, and this is my friend, O daughters of Jerusalem."

ترجمہ: "اُس کا منہ از بس شیرین ہے، ہاں وہ محمد (ﷺ) ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا محبوب ہے، اور یہ میرا پیارا ہے۔"

تو واضح ہو جاتا ہے کہ **מַחֲמַד** کے ساتھ dim کا اضافہ دراصل اس مقدس و عظیم ہستی سے عقیدت و احترام کا اظہار تھا جو کہ زمانہ قدیم میں کیا گیا تھا لیکن فی زمانہ اسے دوسرے معنوں سے تعبیر کیا جانے لگا۔ جیسے انگریزی میں Lovely اردو میں "عشق انگیز" ور دیگر زبانوں میں اس کے متبادل تراجم کیے جانے لگے۔ حالاں کہ یہ کسی طور بھی ممکن نہیں کہ کسی نام کو دوسری زبان میں ترجمے کے دوران کسی ایسے لفظ سے تبدیل کر دیا جائے کہ اس نام کا وجود ہی مٹا دیا جائے اور مکمل ترجمے سے سیاق و سباق اور معنی و مفہوم ہی بدل جائے۔ اور اگر یہ سب کلامِ مقدس کے ساتھ کیا جائے تو اس سے بڑی خیانت کیا ہو سکتی ہے۔ نام کا ترجمہ نام ہی ہوتا ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ کچھ لب و لہجے میں فرق کی وجہ سے تلفظ میں فرق آجائے لیکن اس سے مراد وہی شخصیت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی میں Constantine کو اردو میں قسطنطن کہا جاتا ہے اور یہ دونوں نام ایک ہی بادشاہ کے ہیں اور Alexander کو اردو میں سکندر کہا جاتا ہے اور یہ بھی ایک ہی شخص کے لیے استعمال ہوں گے۔ لیکن محمد ﷺ **מַחֲמַד** کا ترجمہ Lovely کرنا سراسر خیانت اور بدیانتی ہے۔

Strong's Concordance　　Hebrew Strong # 4261[3]

machmad: desire, desirable thing

Original Word: מַחְמָד

Part of Speech: Noun Masculine

Transliteration: machmad

Phonetic Spelling: (makh-mawd')

Definition: desire, desirable thing

---

[1] غزل الغزلات 5:16

[2] https://biblehub.com/

[3] https://biblehub.com/text/songs/5-16.htm

WLC (Consonants Only)

חכו ממתקים וכלו מחמדים זה דודי וזה רעי בנות ירושלם׃

4261 [e]	מַחֲמַדִּים ma-ḥă-mad-dîm;	lovely	N-mp

اب ہم دیگر معروف آن لائن لغات اور تراجم کی خدمات دینے والے بین الاقوامی اداروں کی ویب سائٹس اور ویب ایپ پر مذکورہ عبرانی لفظ کے تراجم پر نظر ڈالیں گے۔ ستمبر[1] 2020ء میں رِورسو کنٹیکسٹ Rerveso Context نے جو انگریزی تراجم کیے ہیں وہ یہ ہیں ؛ Muhammad, Mehmad, pet, lapdog اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ Muhammad اور Mehmad تو صرف تلفظ کی

ادائیگی اور لب و لہجے میں فرق کی وجہ سے لیکن اگر ترجمے کی سمت کو تبدیل کر دیا جائے یعنی انگریزی سے عبرانی میں اور انگریزی میں Muhammad لکھ کر اس کا ترجمہ معلوم کیا جائے تو نتیجہ وہی عبرانی لفظ מַחֲמַד ہوتا ہے اور دوسرا عبرانی لفظ מַחֲמַד|מַחְמָד یہ ہوتا ہے جو کہ

[1] ممکن ہے یہ ترجمہ کچھ عرصہ بعد میسر نہ ہو۔ کیوں کہ SDL اور WorldLingo نے بھی اپنی پالیسی تبدیل کر لی ہے، ممکن اس ترجمے پر پردہ ڈالنے کے لیے ایسا کیا گیا ہو۔ SDL نے فری ترجمہ اور WorldLingo نے ٹیکسٹ (الفاظ و عبارت) کے مشینی ترجمے کی فہرست سے عبرانی Hebrew زبان کو نکال دیا ہے۔ اور جو ترجمہ ماہرین سے مینوئل ہو گا یعنی Professional Translation وہ ترجمہ کرنے والے افراد کی صوابدید ہو گا۔

Muhammad ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ذیل میں Reverso Context کے مذکورہ سکرین شوٹس دیئے گئے ہیں۔ بائبل ہب سے کاپی کر کے ریورسو کنٹیکسٹ Reverso Context سے نتائج لیے گئے ہیں[1]۔

علاوہ ازیں ایس ڈی ایل SDL|FreeTranslation.com[2] کی ویب سائٹ اور ویب ایپ پر اور WorldLingo Free Online Language Translator پر جب اسی لفظ کو کاپی کر کے پیسٹ کیا گیا تو بعینہ وہی یعنی Muhammad ترجمہ کیا گیا۔ یہ ویب سائٹس مینوئل یعنی ہیومن ٹرانس لیشن کی خدمات بھی سرانجام دیتی ہیں اور اس کا دائرہ کار قریباً ڈیڑھ سو 150 عالمی زبانوں پر محیط ہے۔

[1]https://context.reverso.net/translation/hebrew-english/מַחֲמַד/

[2]https://www.freetranslation.com/

WorldLingo Free Online Language Translator

مندرجہ بالا دونوں تصاویر کچھ عرصہ پرانی ہیں، مذکورہ ویب سائٹس نے اب فری ٹرانس لیشن بند کر دی ہے۔ بلکہ SDL کی پلے سٹور پر اب ایپ بھی موجود نہیں ہے۔ اور WorldLingo کی فری ٹیکسٹ ٹرانس لیشن میں سے Hebrew عبرانی زبان کو نکال دیا ہے۔ ممکن ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ بہت سے مسلم محققین اور یوٹیوب ویڈیو بلاگرز نے اپنے مباحث میں ان کا حوالہ دینا شروع کر دیا تھا۔

Hebrew English Dictionary by Ben &Yehuda میں بھی عبرانی زبان کے اس لفظ کا ترجمہ بھی Muhammad ہی کیا گیا ہے ۔ لیکن چوں کہ خیانت اور تحریف ایک اجتماعی کاز کے لیے کی گئی ہے اور اس میں یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کا اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے معنی و مطالب کے اعتبار سے مفاد سامنے رکھنا مقصود ہے اس لیے اکثر جگہوں پر تراجم اصل سے ہٹ کر کیے گئے ہیں۔

چوں کہ یہودی، عیسائی اور مسلم مفکرین میں اس ضمن میں تمحیث و تکرار رہتا ہے لہٰذا اس کی صحت و افادیت کے حوالے سے بھی بہت سے مفکرین نے کلام کیا ہے بہت سے علمائے یہود (ربّیوں) کی رائے ہے کہ غزل الغزلات (Song of Solomon) سلیمانؑ اور ان کی بیوی کے درمیان ہونے والا مکالمہ ہے اور اس کلام کا اکثر حصہ معاشقانہ نوعیت کا ہے یعنی جسمانی خدوخال، حسن و جمال پر شاعروں کی طرح تشبیہات و تصورات پر مبنی ہے یعنی جیسے کوئی شاعر اپنے محبوب کے حسن و جمال اور اس کے جسمانی خدوخال پر فریفتہ ہو کر شعر گوئی کرتا ہے۔ اس لیے معروف رَبّی شامائے Shammai(50BC-30CE) اپنی مذہبی تصنیف Mishnah میں زور دیتے ہیں کہ غزل الغزلات کو اس کی عاشقانہ اور جنسی نوعیت کی بنا پر مقدس کتاب میں شامل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے برعکس Rabbi Aqiva کے بقول "پوری کائنات اتنی قابلِ

قدر نہیں جتنا کہ وہ دن تھا جس دن غزل الغلات اسرائیل کو دیا گیا، کیوں کہ سب تحریریں مقدس ہیں لیکن غزل الغز لات سب مقدس (تحریروں) میں سب سے مقدس ہے۔"

چرچ کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو کچھ سکالرز کی طرف سے غزل الغزلات میں مادہ کردار کو چرچ سے اور نر کردار کو عیسیٰ (علیہ السلام) سے منسوب کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ اور کچھ یہودی مادہ کردار کو یروشلم سے اور نر کردار کو خدا سے منسوب کرتے ہیں، اسی طرح کچھ یہودی علماء کا کہنا ہے کہ مادہ کردار سلیمانؑ کی بیوی کا اور نر کردار سلیمانؑ کا ہے وغیرہ وغیرہ۔ گو کہ مختلف سکولز کی آراء مختلف ہیں۔ لیکن یہ آخری رائے بہت عجیب ہے جس پر سوال اٹھتا ہے کہ اس معاشقے کی ایک مقدس کتاب میں کیا ضرورت تھی؟ (جیسا کہ شامائے کی ایک قوی دلیل موجود ہے) اور اگر پہلی دو آراء کو تسلیم کر لیا جائے تو جو الفاظ اور اسلوب غزل الغزلات کا ہے وہ ان دونوں آراء میں سے کسی ایک کا بھی مصداق نہیں ہے۔ سوال یہ ہے اگر مادہ کردار چرچ یا یروشلم کا ہے تو جسمانی اعضاء کی خوب صورتی اور خدوخال کو بیان کرنے سے کیا مقصود ہے اور چرچ یا یروشلم (بیت المقدس) کا گالوں، زلفوں، آنکھوں اور حسن وجمال، عشق وبکارت سے کیا واسطہ؟ ان تمام سوالات وتوجیہات کے پیشِ نظر اگر غزل الغزلات کی صحت کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ یہ ہوتا ہے کہ 16:5 میں محمد ﷺ کے ذکر، ان کی نشانیوں، جمال اور خوبیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے چرچ ویروشلم کی تعبیرات کی گئیں ہیں۔ جب تحریف اتنی زیادہ ہوگئی کے غزل الغزلات اپنے حقیقی سیاق وسباق سے ہٹ گئی اور اس کے الفاظ و اسلوب سے معاشقے کا تاثر جانے لگا تو اسے سلیمان علیہ السلام اور اُن کی اہلیہ محترمہ سے منسوب کر دِیا گیا۔ (استغفر اللہ) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی نبی یا اس کی زوجہ محترمہ اس قسم کا برملہ اظہار کر سکتے تھے؟ اور مزید یہ کہ اس معاشقے کا آئندہ اہلِ ایمان کی جمیعت اور نسلوں کی دینی اصلاح وتربیت سے کیا تعلق ہے؟

علمائے یہود ونصاریٰ کے اِن تمام افکار وعقائد سے ایک بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ حقائق کے رخ کو twist موڑ کر نئے رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے اور در حقیقت یہی ابہام وتشکیک پیدا ہونے کی اصل وجہ ہے۔

لیکن مسلمان سکالرز کے مطابق 5:10-16 کسی شخص کے وجود کو ظاہر کرتے ہیں جو کہ قرآن وحدیث، پہلی آسمانی کتب اور جدید سائنس کی رو سے ناقابلِ تردید دلائل اور آرکیالوجی اور تاریخ کے دریچوں کی روشنی میں نبی آخر الزمان ﷺ ہی کا وجود ہے۔ ان تمام دلائل کا بیان آگے آرہا ہے۔ اب ہم ان میں سے ایک ایک آیت کی محمد ﷺ کے قریبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے بیانات سے تشریح کریں گے۔

غزل الغزلات 10:5 "میرا محبوب سرخ وسفید ہے، وہ دس ہزار میں ممتاز ہے:

Song of Solomon 5:10"My beloved is white and ruddy. The best among ten thousand."

نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک سرخی مائل سفید تھا۔[1]

"علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ لمبے قد کے تھے نہ چھوٹے قد کے، سر مبارک ضخیم تھا، داڑھی گھنی، ہاتھ پاؤں بھاری تھے، سرخ و سفید رنگ تھا[2]۔"

اگر 5:10 کے اگلے حصے (وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔) کا احادیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے موقع پر آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندازِ فاتحانہ کی پیشن گوئی ہے۔ ان دونوں مواقع پر آپ ﷺ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی معیت میں اپنی پر وقار طمانیتِ قلبی کے ساتھ فاتحانہ لیکن اپنے پروردگار کا شکر بجالاتے ہوئے اور تمام نصرت و مدد کو ربِ ذوالجلال سے منسوب کرتے ہوئے انتہائی عاجزانہ رونما ہو رہے تھے۔

"نبی کریم ﷺ (فتح کے لیے) مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کو مدینہ میں آئے ساڑھے آٹھ سال پورے ہونے والے تھے۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھ جو مسلمان تھے مکے کے لیے روانہ ہو گئے[3]۔ (الخ)"

"غزوہ حنین میں جب قبیلہ ہوازن سے جنگ شروع ہوئی تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار فوج تھی۔ قریش کے وہ لوگ بھی ساتھ تھے جنھیں فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے چھوڑ دیا تھا پھر سب نے پیٹھ پھیر لی تھی۔ آپ ﷺ نے پکارا: اے انصار! انھوں نے جواب دیا کہ ہم حاضر ہیں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہم حاضر ہیں، ہم آپ کے سامنے ہیں[4]۔ (الخ)"

"جب حنین کی جنگ ہوئی تو ہوازن اور غطفان اور دوسرے لوگ اپنے بیوی بچوں اور مویشیوں کو لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس روز دس ہزار (اپنے ساتھی) تھے[5]۔ (الخ)"

اگر دس ہزار کی بائبل سے مزید تشریح کی جائے تو مندرجہ ذیل آیت انتہائی اہمیت کی حامل ہے جس میں دس ہزار کے عدد کی تخصیص کی ہے اور اس کو مقدس لوگوں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ علیم اجمعین) کے لیے خاص کیا ہے۔

"اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکار ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور وہ دس ہزار مقدس لوگوں میں سے آیا[6]۔"

---

[1] اخرجہ المقدسی فی الاحادیث المختارۃ، 2/316، الرقم: 695

[2] مشکوٰۃ: 5790، صحیح

[3] صحیح بخاری: 4276

[4] صحیح بخاری: 4333

[5] صحیح مسلم: 2441

[6] استثنا 33:2

"He said, The LORD came from *Sinai*, and rose from *Seir* to them. He shone from Mount *Paran*. He came from the *ten thousands of holy ones*." [1]

اس آیت کے سیاق وسباق کی مذکورہ بالا احادیث سے تشریح کی جائے تو واضح ہے کہ اشارہ کس جانب ہے۔ اب ہم اسی آیت کی بائبل کے مزید حوالوں سے تشریح کرتے ہیں اور بائبل، بائبل کی لغات اور قدیم نقشہ جات سے **فاران** کے مقامِ اصلی کی کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔

"اور خدا اُس کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا[2]۔"

"And God was with the lad, and he grew, and dwelt in the wilderness, and became an archer And he dwelt in the wilderness of *Paran*.[3]"

بائبل کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاران کوئی شہر یا گاؤں نہیں بلکہ ایک بے آباد وادی یا کوئی بے کار زمین تھی۔

"صف کا (اصل) مقام نامعلوم ہے۔ جو کہ **فاران** ہے۔" جیسا کہ ہاسٹنگ کی بائبل کی لغت میں مرقوم ہے کہ:

"The site of *Suph* is unknown. So is that of *Paran*.[4]"

لہٰذا فاران کے اصل مقام کا پتہ لگانے کے لیے ہمیں جاننا ہو گا کہ اسمٰعیل کی اولاد نے کہاں سکونت اختیار کی۔

"اور اسمٰعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس سال کی ہوئی تب اُس نے دم توڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ (پیدائش 17:25) اور اُس کی اولاد حویلہ سے شور Shur تک جو مصر کے سامنے اُس راستہ پر ہے جس سے آسور جو جاتے ہیں آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔" (پیدائش 18:25)

"Ismael lived a hundred and thirty-seven years. He breathed his last and died , and he was gathered to his people.(Genesis 25-17) His (Ismael's) descendents occupied the region from ***Havilah*** to ***Shur***, which is east of Egypt in the direction of ***Asshur*** (Assyria). There they lived in open hostility towards all their relatives.[5]"

اگر ذیل کے نقشے کو دیکھا جائے تو شور **Shur** شمال عرب میں آسور Assyria اور مصر کے درمیان کہیں واقع ہے۔ بائبل سے شور کی نشان دہی ایسے ہوتی ہے:

---

[1] Deuteronomy 33:2

[2] پیدائش 21:20-21

[3] Genesis21:20-21

[4] Hasting's Dictionary of Bible P:193

[5] Genesis 25-18

"اور وہ خداوند کے فرشتے کو بیابان میں پانی کے ایک چشمے کے پاس ملی۔ یہ وہی چشمہ ہے جو شور Shur کی راہ پر ہے[1]۔"

"The Lord's angle found her by a fountain of water in the wilderness, by the fountain on the way to ***Shur***.[2]"

"اور ابراہیم وہاں سے جنوب کے ملک کی طرف چلے اور قادس اور شور Shur کے درمیان ٹھہرے اور جرار میں قیام کیا[3]۔"

"Ibraham traveled from there toward the land of the South, and lived between Kadash and ***Shur***. He lived as a foreigner in Gerar[4]."

"پھر موسیٰ بنی اسرائیل کو بحرِ قلزم سے آگے لے گیا اور وہ شور Shur کے بیابان میں آئے اور بیابان میں چلتے ہوئے تین دن تک ان کو کوئی پانی کا چشمہ نہ ملا۔ اور جب وہ مارہ میں آئے تو مارہ کا پانی نہ پی سکے کیوں کہ وہ کڑوا تھا۔ اسی لیے اس جگہ کا نام مارہ (Wilderness of Etham) پڑ گیا[5]۔"

"Moses led Israel onward from the Sea of ***Suf***, and they went out into the wilderness of ***Shur***; and they went three days in the wilderness, and found no water. When they came to ***Marah***, they couldn't drink from the waters of ***Marah***, for they were bitter. Therefore its name was called ***Marah***[6]."

"پھر انھوں نے فی ہیخروت کے سامنے سے کوچ کیا اور سمندر کے بیچ سے گزر کر بیابان میں داخل ہوئے اور دشت ایتام میں تین دن کی راہ چل کر مارہ میں پڑاؤ کیا[7]۔"

"They traveled from before Hahiroth, and crossed through the middle of the sea into the wilderness. They went three day's journey in the wilderness of Etham, and encamped in ***Marah***[8]."

"ممکن ہے شور بحر احمر کے قدیم مشرقی سرے کا علاقہ ہو اور اس کے "حد" کہے جانے کی وجہ سے یہ شاید مصر میں داخل ہونے سے پہلے عرب کا آخری علاقہ ہو۔"

---

[1] پیدائش 7:16

[2] Genesis 16:7

[3] پیدائش 1:20

[4] Genesis 20:1

[5] خُروج 15:22-23

[6] Exodus 15:22-23

[7] گنتی 8:33

[8] Numbers 33:8

“Shur may have been a territory town east of the ancient head of the Red Sea, and from its being spoken of as a limit, it was probably the last Arabian town before entering Egypt.[1]”

بائبل کی ہاسٹنگ کی لغت کے مطابق Havilah کی نشان دہی یوں ہوتی ہے:

"یہ تجویز کیا گیا ہے کہ یہ شام کے صحرا کا شمال مشرقی حصہ ہے، لیکن قوی امکان ہے کہ اس کی نشان دہی عرب کے جنوب اور مرکزی حصے سے ہی کی جاسکے۔"

“It has been suggested that it formed the NE part of the Syrian Desert, but it may with greater probability be identified with central and *north east Arabia*[2].”

علاوہ ازیں لفظ "سونے" کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"سونے کی پیداوار کا دوسرا بڑا ملک حویلہ Havilah تھا۔ تمام علاقوں میں سے، حویلہ اور شیبہ عرب (علاقے) تھے۔"

“….the main sources ot it being Ophir, Tarshish and Sheba. Another Gold producing country was Havilah. Of the localities, *Havilah and Sheba were Arabian*[3]*.”*
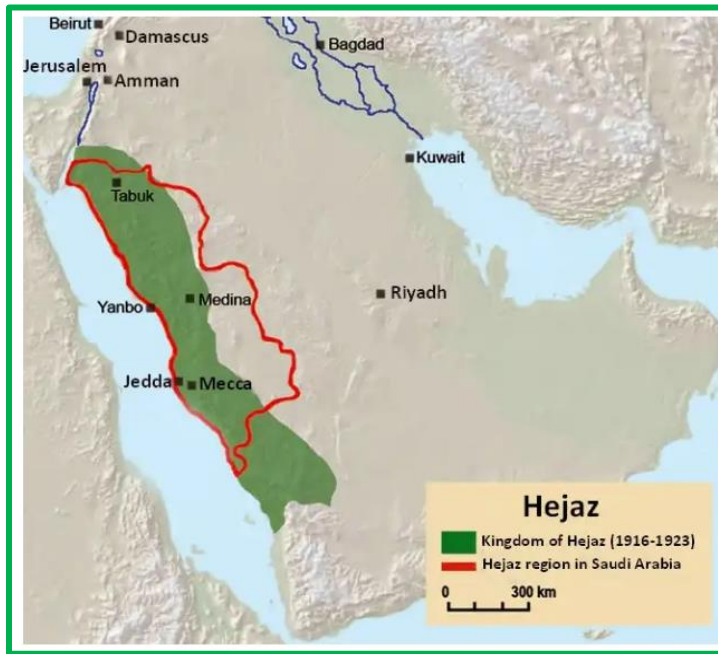
[1]Smith’s dictionary 1901

[2]Hasting’s Dictionary of the Bible p.333

[3]Hasting’s Dictionary of Bible p.619

محترم قارئین! قادیانی اپنے خود ساختہ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے جن بنیادی باتوں کا اقرار کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں

1۔ کلمہ شہادت کا اقرار

2۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین ماننا

3۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو وہی امام مہدی اور مسیح موعود ماننا جس کی پیشگوئی ی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ہے

4۔ قادیانی جماعت کے موجودہ سربراہ کے تمام احکامات کی پاسداری کرنا اور اسے بطور خلیفۃ المسلمین تسلیم کرنا۔

محترم قارئین! اب میں آپ کے سامنے قادیانیوں کی بیعت کے ان چاروں اصولوں اور قادیانی دجل و فریب کو سٹیپ بائی سٹیپ بیان کرتا ہوں تاکہ کوئی عام آدمی کسی بھی قسم کے دھوکے کا شکار نہ ہو جائے۔

1_ قادیانی کلمہ شہادت کی حقیقت:

محترم قارئین! قادیانی کلمہ کی حقیقت کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ کیا تھا؟ تو قارئین کرام یاد رکھیے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف خود محمد رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ اپنے اصحاب کو محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی خود لکھتا ہے کہ

"اور جو شخص مجھ میں اور مصطفی میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا اور نہ پہچانا ہے۔"

[1] عبید اللہ لطیف ریسرچر قادیانیت

[1]مزید ایک مقام پر مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

"پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا در حقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا[2]۔"

محترم قارئین! یہاں پر یہ بھی یاد رہے کہ قادیانیوں کے نزدیک آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی خود محمد رسول اللہ ﷺ ہے کیونکہ مرزا قادیانی خود محمد رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جو در حقیقت خاتم النبیین تھے، مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں، اور نہ ہی اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے۔ کیونکہ میں بار بار بتلا چکا ہوں، میں بموجب آیت وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وہی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ﷺ ہوں، پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد ہی تک محدود رہی۔ یعنی بہرحال محمد ﷺ ہی نبی رہے اور نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے، میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا[3]۔"

اسی طرح ایک اور جگہ مرزا قادیانی لکھتا ہے:

" نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرۃ صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فنافی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔ اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے۔ اور نہ اپنے لیے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ اس لیے اس کا نام آسمان پر محمد اور احمد ہے۔ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد کو ہی ملی۔ گو بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو۔۔۔۔۔ لیکن اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا۔ کیونکہ وہ محمد ہے۔ گو ظلی طور پر۔ پس باوجود اس شخص کے دعویٰ نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا۔ پھر بھی سیدنا محمد خاتم النبیین ہی رہا۔ کیونکہ یہ محمد (ثانی) (مرزا قادیانی) اسی محمد کی تصویر اور اسی کا نام ہے[4]۔"

---

[1] خطبہ الہامیہ صفحہ 171 مندرجہ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 259

[2] خطبہ الہامیہ صفحہ 171 مندرجہ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 258

[3] ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 8 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 212

[4] ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 3 تا 5 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 207 تا 209

مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد جسے قادیانی قمر الانبیا کے لقب سے پکارتے ہیں اپنی کتاب میں ایک مقام پر لکھتا ہے کہ

"اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود اور نبی کریم میں کوئی دوئی باقی نہیں کہ ان دونوں کے وجود بھی ایک وجود کا ہی حکم رکھتے ہیں جیسا کہ خود مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے فرمایا کہ صار وجودی وجودہ (دیکھو خطبہ الہامیہ صفحہ 171) اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضرت نبی کریم نے فرمایا کہ مسیح موعود میری قبر میں دفن کیا جائے گا۔ جس سے یہی مراد ہے کہ وہ میں ہی ہوں یعنی مسیح موعود نبی کریم سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں آئے گا تاکہ اشاعت اسلام کا کام پورا کرے اور ھو الّذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کے فرمان کے مطابق تمام ادیانِ باطلہ پر اتمام حجت کر کے اسلام کو دنیا کے کونوں تک پہنچاوے تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیاں میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمدؐ کو اتارا تاکہ اپنے وعدہ کو پورا کرے جو اس نے آخرین منھم لم یلحقوا بھم میں فرمایا تھا[1]۔"

محترم قارئین! بعض لوگ قادیانیوں کے کلمہ پڑھنے سے بھی دھوکا میں آجاتے ہیں کہ دیکھیں جی یہ بھی تو کلمہ پڑھتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی مسلمان ہی ہیں۔ حالانکہ قادیانی گروہ کلمہ میں جب "محمد رسول للہ" کے الفاظ ادا کرتا ہے تو ان کا مقصد صرف محمد عربی ﷺ ہی نہیں ہوتا بلکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہوتا ہے جیسا کہ ہم مندرجہ بالا تحریروں میں مرزا قادیانی کے دعویٰ سے ثابت کر آئے ہیں۔

آیئے! مزید قادیانی کلمہ کی حقیقت جاننے کے لیے مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد کی درج ذیل تحریر کو بھی ملاحظہ کرلیں جب اس سے سوال کیا گیا کہ تم نے مرزا قادیانی کو نبی مانا ہے تو اپنا الگ کلمہ کیوں نہیں بنایا تو جواب دیتے ہوئے مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ

"ہم کو نئے کلمے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ صار وجودی وجودہ نیز من فرق بینی وبین المصطفی فما عرفنی ومارئ اور یہ اس لیے ہے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے۔ پس مسیح موعود خود محمد رسول للہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول للہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی[2]۔"

محترم قارئین! قاضی ظہورالدین اکمل نامی شخص مرزا قادیانی کا مرید خاص اور صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر بھی تھا اس نے مرزا قادیانی کی زندگی میں ایک نظم لکھی جو قادیانی اخبار بدر کے 25 اکتوبر 1906 کے شمارے میں شائع ہوئی اس میں وہ مرزا قادیانی کو محمد رسول اللہ ﷺ قرار دے رہا ہے بلکہ محمد عربی ﷺ سے بڑھ کر قرار دے رہا ہے چنانچہ قاضی ظہور الدین اکمل لکھتا ہے کہ

---

[1] کلمۃ الفصل صفحہ 104،105

[2] کلمۃ الفصل صفحہ 158 از مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی

امام اپنا عزیزو اس زماں میں　غلام احمد ہے عرش رب اکرم

غلام احمد ہوا دارالاماں میں　مکاں اس کا ہے گویا لامکاں میں

غلام احمد رسول اللہ ہے برحق　محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں

شرف پایا ہے نوع انس وجاں میں　اور آگے سے ہیں بڑھکر اپنی شان میں

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل　غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

محترم قارئین !اس نظم کے بارے میں قاضی ظہور الدین اکمل کا بیان ہے کہ

"وہ اس نظم کا ایک حصہ جو حضرت مسیح موعود کے حضور میں پڑھی گئی اور خوشخط لکھے ہوئے قطعے کی صورت میں پیش کی گئی اور حضور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ اس وقت کسی نے اس شعر پر اعتراض نہ کیا۔ حالانکہ مولوی محمد علی صاحب اور اعوانھم موجود تھے اور جہاں تک حافظہ مدد کرتا ہے بوثوق کہا جاسکتا ہے کہ سن رہے تھے اور اگر وہ اس سے بوجہ مرور زمانہ انکار کریں تو یہ نظم بدر میں چھپی اور شائع ہوئی۔ اس وقت "بدر" کی پوزیشن وہی تھی بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر جو اس عہد میں "الفضل" کی ہے حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر سے ان لوگوں کے محبانہ اور بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ وہ خدا کے فضل سے زندہ موجود ہیں ان سے پوچھ لیں اور خود کہہ دیں کہ آیا آپ میں سے کسی نے بھی اس پر بھی ناراضگی یا ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت مسیح موعود کا شرف سماعت حاصل کرنے اور اس پر جزاک اللہ تعالی کا صلہ پانے اور اس قطعے کو اندر خود لے جانے کے بعد کسی حق ہی کیا پہنچتا تھا کہ اس پر اعتراض کر کے اپنی کمزوری ایمان اور قلت عرفان کا ثبوت دیتا[1]۔"

محترم قارئین !امید ہے کہ آپ قادیانیوں کی طرف سے کلمہ شہادت کے اقرار کے پس منظر میں جو حقائق ہیں ان سے بخوبی آگاہ ہو گئے ہوں گے۔ اور ان کے دجل و فریب کو بھی پہچان چکے ہوں گے اب آپ کے سامنے قادیانیوں کی طرف سے نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ماننے کی اصل حقیقت سے بھی آگاہ کرتا ہوں

2_ محمد رسول اللہ ﷺ بحثیت خاتم النبیین اور قادیانی دجل:

قارئین کرام قادیانیوں سے بیعت لیتے ہوئے قادیانی سربراہ اس بات کا بھی اقرار لیتا ہے کہ وہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین مانے گے جس سے عام آدمی دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ قادیانی بھی تو عقیدہ ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو بلاوجہ کافر قرار دیا گیا ہے۔

[11] اخبار الفضل قادیاں 22 اگست 1944

محترم قارئین! سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ امت مسلمہ کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت ہے کیا؟

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰـكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا[1]

تمہارے مَردوں میں سے محمد (ﷺ) کسی کے باپ نہیں، لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔

قرآن کریم کی اسی آیت کے ان معنوں اور مفہوم کی تائید فرمان رسول ﷺ سے بھی ہوتی ہے حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ:

وَإِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِيْ أُمَّتِيْ لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِيْ بِالْمُشْرِكِيْنَ وَحَتّٰى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ وَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرُ اللّٰهِ

جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو وہ اس سے روز قیامت تک نہ اٹھائی جائے گی اور قیامت قائم نہ ہو گی حتیٰ کہ میری امت کے بعض قبائل مشرکوں کے ساتھ نہ مل جائیں اور بتوں کی عبادت نہ کرنے لگیں۔ اور بے شک عنقریب میری امت میں تیس کذاب پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ جبکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور میری امت کا ایک گروہ حق پر رہے گا اور وہ غالب ہوں گے۔ جو ان کی مخالفت کریں گے وہ ان کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے حتیٰ کہ اللہ کا حکم آجائے[2]۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے:

خَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُخَلِّفُنِيْ فِي النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ؟ قَالَ أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ؟ غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک کو تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپؐ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس بات پر خوش نہیں کہ تمہارا درجہ میرے ہاں ایسا ہی ہو جیسے حضرت ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے ہاں تھا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں[3]۔

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] الاحزاب: 40

[2] سنن ابوداود، کتاب الفتن والملاحم: 4252، جامع ترمذی، کتاب الفتن 2145

[3] صحیح مسلم، کتاب الفضائل 6218، صحیح بخاری 4416

كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ آخَرُ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنَ الْخُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ[1]

ترجمہ: بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاسی رہنمائی بھی کیا کرتے تھے۔ جب بھی ان کا کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا لیکن یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر نائبین بکثرت ہوں گے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی للہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول للہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

ترجمہ:۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا۔[2]

ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ

رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی[3]۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی اور رسول دونوں کی نبی آخر الزمان ﷺ کے بعد آنے کی نفی کی گئی ہے۔ آیئے ذرا اس بات پر غور کریں کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اس دور کے سب سے بڑے کذاب داعی نبوت مرزا قادیانی کا اپنا بیان قابل توجہ ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی رقم طراز ہے:

" خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرائیل نازل ہوتی ہے[4]۔"

مرزا غلام احمد قادیانی نبی کی تعریف میں یوں رقم طراز ہے کہ

" نبی کے معنٰی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو، شریعت کا لانا اس کے لیے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع ہو[5]۔"

محترم قارئین! قادیانی دجال کے مندرجہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول صاحب شریعت کا متبع ہوتا ہے اور نہ ہی وہ نئی شریعت اپنے ساتھ لاتا ہے۔ ان دونوں معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حدیث کے الفاظ پر توجہ دیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد نہ صاحب

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاحادیث الانبیاء حدیث:3455، سنن ابن ماجہ، حدیث:2871

[2] سنن ترمذی ابواب المناقب، حدیث:3686 حسن

3 جامع ترمذی کتاب الرویا رواہ انس بن مالک حدیث:2272

[4] ازالہ اوہام صفحہ 576، مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 411

[5] ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 138 مندرجہ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 306

شریعت نبی آسکتا ہے اور نہ ہی صاحب شریعت رسول، رسول اور نبی دونوں کے آنے کی نفی کی ہے۔ جب کہ مرزا قادیانی نے نہ صرف نبوت کا دعویٰ کیا ہے بلکہ صاحب شریعت ہونے کا بھی مدعی ہے۔ جس کی تفصیل مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت میں موجود ہے۔

محترم قارئین! قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور جو بھی دعویٰ نبوت کرے گا وہ بمطابق فرمان نبوی کذاب و دجال ہو گا۔

خاتم النبین کا قادیانی دھوکہ:

اب آتے ہیں اس بات کی طرف کہ امت مرزائیہ کے نزدیک خاتم النبیین کا کیا مفہوم ہے جس کا بیعت لیتے ہوئے اقرار کروایا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک ملفوظ ملاحظہ کر لیں چنانچہ مرزا قادیانی کہتا ہے کہ

" یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت ﷺ کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین یقین نہ کرلے جبتک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتا[1]۔"

محترم قارئین! مرزا غلام احمد قادیانی آیت خاتم النبیین کے مفہوم کے تحت کہتا ہے کہ

"چنانچہ ان خوبیوں اور کمالات کے جمع ہونے کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ پر نبوت ختم ہو گئی اور یہ فرمایا کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:40) ختم نبوت کے یہی معنی ہیں کہ نبوت کی ساری خوبیاں اور کمالات تجھ پر ختم ہو گئے اور آئیندہ کے لیے کمالات نبوت کا باب بند ہو گیا اور کوئی نبی مستقل طور پر نہ آئے گا۔ نبی عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں مشترک لفظ ہے جس کے معنی ہیں خدا سے خبر پانے والا اور پیشگوئی کرنے والا جو لوگ براہ راست خدا سے خبریں پاتے تھے وہ نبی کہلاتے تھے اور یہ گویا اصطلاح ہو گئی تھی مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آئیندہ کے لیے اللہ تعالی نے اس کو بند کر دیا ہے اور مہر لگا دی ہے کہ کوئی نبی آنحضرت ﷺ کی مہر کے بغیر نہیں ہو سکتا جب تک آپ کی امت میں داخل نہ ہو اور آپ کے فیض سے مستفیض نہ ہو وہ خدا تعالی سے مکالمہ شرف نہیں پا سکتا جب تک آنحضرت ﷺ کی امت میں داخل نہ ہو[2]۔"

ایک اور مقام پر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الاحزاب:40) اس آیت میں اللہ تعالی نے جسمانی طور سے آپ کی اولاد کی نفی بھی کی ہے اور ساتھ ہی روحانی طور سے اثبات بھی کیا ہے روحانی طور پہ آپ باپ بھی ہیں اور

---

[1] ملفوظات جلد دوم صفحہ 64 طبع چہارم

[2] ملفوظات جلد سوم صفحہ 95 طبع چہارم

روحانی نبوت اور فیض کا سلسلہ آپ کے بعد جاری رہے گا اور وہ آپ میں سے ہو کر جاری ہو گا نہ الگ طور سے۔ وہ نبوت چل سکے گی جس پر آپ کی مہر ہو گی۔ ورنہ اگر نبوت کا دروازہ بالکل بند سمجھا جائے تو نعوذباللہ اس سے تو انقطاع فیض لازم آتا ہے اور اس میں تو نحوست ہے اور نبی کی ہتک شان ہوتی ہے گویا اللہ تعالی نے اس امت کو جو کہا کہ کنتم خیر امۃ یہ جھوٹ تھا نعوذباللہ۔ اگر یہ معنی کیے جائیں کہ آئیندہ کے واسطے نبوت کا واسطہ ہر طرح سے بند ہے تو پھر خیر الامۃ کی جگہ شر الامم ہوئی یہ امت[1]۔"

ایک اور مقام پر مرزا قادیانی نے کہا کہ

"خود قرآن میں النبیین جس پر ال پڑا ہے موجود ہے اس سے مراد یہی ہے کہ جو نبوت نئی شریعت لانے والی تھی وہ اب ختم ہو گئی ہے اگر کوئی نئی شریعت کا دعوی کرے تو کافر ہے اور اگر سرے سے مکالمہ الہی سے انکار کیا جاوے تو پھر اسلام ایک مردہ مذہب ہو گا اور اس میں اور دوسرے مذاہب میں کوئی فرق نہ رہے گا کیونکہ مکالمہ کے بعد اور کوئی ایسی بات نہیں رہتی کہ وہ ہو تو اسے نبی کہا جائے۔ نبوت کی علامت مکالمہ لیکن اب اہل اسلام نے جو یہ اپنا مذہب قرار دیا ہے کہ اب مکالمہ کا دروازہ بند ہے اس سے تو ظاہر ہے کہ خدا کا بڑا قہر اس امت پر ہے[2]۔"

محترم قارئین! ایک اور موقع پر مرزا قادیانی سے سوال کیا گیا کہ خاتم النبیین کے کیا معنی ہیں تو مرزا قادیانی نے جواب دیا کہ

"اس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ی نبی صاحب شریعت نہیں آوے گا اور یہ کہ کوئی ی ایسا نبی آپ کے بعد نہیں آسکتا جو رسول اکرم ﷺ کی مہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو[3]۔"

محترم قارئی ین! مندرجہ بالا بحث سے یقینا آپ سمجھ گ ئی ے ہوں گے کہ امت مرزائیہ کے نزدیک خاتم النبیین سے مراد ایسا نبی ہے جس کے بعد شرعی نبوت بند ہو لیکن غیر شرعی اور امتی نبوت جاری ہو اور غیر شرعی امتی نبوت اس خاتم النبیین کے فیض سے ملتی ہو جبکہ اس کے برعکس امت مسلمہ ہر طرح کی نبوت کے بند ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے۔

3_ کیا مرزا قادیانی وہی امام مہدی اور مسیح موعود ہے جس کی پیشگوئی محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی؟

محترم قارئین! ظہور امام مہدی کے بارے صحیح احادیث اس تواتر سے بیان ہوئی ی ہیں کہ جس کے بارے میں کسی بھی قسم کے شک و شبہ کی گنجائی ش نہیں۔ یہاں پر امام مہدی کے بارے میں چند احادیث بیان کرنے کے بعد مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کے دجل و فریب کو آشکار کروں گا ان شاء اللہ پہلے چند ایک احادیث نبویہ ﷺ ملاحظہ فرمائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کا فرمان سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں ہے:

---

[1] ملفوظات جلد سوم صفحہ 248,249 طبع چہارم

[2] ملفوظات جلد سوم صفحہ 52،53 طبع چہارم

[3] ملفوظات جلد پنجم صفحہ 565 طبع چہارم

لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ، قَالَ: زَائِدَةُ فِي حَدِيثِهِ لَطَوَّلَ اللَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ، ثُمَّ اتَّفَقُوا: حَتَّى يَبْعَثَ فِيهِ رَجُلًا مِنِّي أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي وَاسْمُ أَبِيهِ اسْمَ أَبِي زَادَ فِي حَدِيثِ فِطْرٍ يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا، وَقَالَ فِي حَدِيثِ سُفْيَانَ: لَا تَذْهَبُ أَوْ لَا تَنْقَضِي الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي ، قَالَ أَبُو دَاوُد: لَفْظُ عُمَرَ، وَأَبِي بَكْرٍ بِمَعْنَى سُفْيَانَ.

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کا ایک دن بھی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دے گا، یہاں تک کہ اس میں ایک شخص کو مجھ سے یا میرے اہل بیت میں سے اس طرح کا برپا کرے گا کہ اس کا نام میرے نام پر، اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہو گا، وہ عدل و انصاف سے زمین کو بھر دے گا، جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر دی گئی ہے۔ سفیان کی روایت میں ہے: دنیا نہیں جائے گی یا ختم نہیں ہو گی تا آنکہ عربوں کا مالک ایک ایسا شخص ہو جائے جو میرے اہل بیت میں سے ہو گا اس کا نام میرے نام کے موافق ہو گا۔ ابو داؤد کہتے ہیں: عمر اور ابو بکر کے الفاظ سفیان کی روایت کے مفہوم کے مطابق ہیں۔[1]

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ إِلَّا يَوْمٌ لَبَعَثَ اللَّهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يَمْلَؤُهَا عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا .

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر زمانہ سے ایک ہی دن باقی رہ جائے گا تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کھڑا بھیجے گا وہ اسے عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جیسے یہ ظلم و جور سے بھر دی گئی ہے۔[2]

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا لَا يَعُدُّهُ عَدَدًا

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے آخر (کے دور) میں ایک خلیفہ ہو گا جو لپیں بھر بھر کے مال دے گا اور اس کی گنتی نہیں کرے گا[3]

۔

سیدنا ابو سعید الخذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یخرج فی آخر امتی المھدی، یسقیہ اللہ الغیث و تخرج الارض نباتھا ویعطی المال صحاحا و تکثر الماشیۃ وتعظم الامۃ یعیش سبعا او ثمانیا یعنی حججا"

---

[1] سنن ابو داؤد حدیث نمبر 4282

[2] سنن ابو داؤد حدیث نمبر 4283

[3] صحیح مسلم حدیث نمبر 7167

''میری امت کے آخر میں مھدی آئے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ بارشیں نازل فرمائے گا اور زمین اپنے نباتات اگلے گی عدل و انصاف سے مال تقسیم کرے گا، مویشی زیادہ ہو جائیں گے اور امت کا غلبہ ہو گا وہ (اپنے ظہور کے بعد) سات یا آٹھ سال زندہ رہے گا[1]۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"المھدی منا اھل البیت یصلحه الله فی لیلة"

''مھدی ہمارے اہل بیت میں سے، اللہ اسے ایک ہی رات میں درست کر دے گا۔[2]''

محترم قارئین! مندرجہ بالا احادیث ظھور مھدی پر واضح دلالت کرتی ہیں۔ ان احادیث کے علاوہ اور بھی کئی احادیث اور آثار ہیں جو صحت کے مقام پر فائز ہیں۔ جن کا انکار کرنا کسی صاحب ایمان کو ذیب نہیں دیتا۔

محترم قارئین! متواتر احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ امام مہدی کا نام محمد بن عبد اللہ ہو گا، وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے، قرب قیامت ان کا ظہور ہو گا اور وہ پوری دنیا میں عدل و انصاف کے پھریرے لہرائیں گے۔

ائمہ دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بارے میں مروی احادیث صحیح اور قابل حجت ہیں۔ اس حوالے سے چند ایک ائمہ دین کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

(1) امام ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد عقیلی (م: ۳۲۲ھ) فرماتے ہیں:

وفی المھدی احادیث جید

'' امام مہدی کے بارے میں عمدہ احادیث موجود ہیں[3]۔''

(2) امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴-۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

والاحادیث فی التنصیص علی خروج المھدی اصح اسنادا، وفیھا بیان کونه من عترة النبی صلی الله علیه وسلم

'' امام مہدی کے خروج کے بارے میں احادیث صحیح سند والی ہیں۔ ان میں یہ وضاحت بھی ہے کہ امام مہدی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ہوں گے[4]۔''

(3) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] المستدرک للحاکم، جلد 4، ص 558

[2] مسند احمد بن حنبل، رقم: 645

[3] الضعفاء الکبیر للعقیلی 3/254

[4] تاریخ ابن عساکر: 47/517، تھذیب التھذیب لابن حجر: 9/126

والاحادیث التی یحتج بہا خروج المہدی احادیث صحیحۃ

" جن احادیث سے امام مہدی کے خروج پر دلیل لی جاتی ہے، وہ احادیث صحیح ہیں[1]۔"

(4) شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم (۶۹۱۔ ۷۵۱ھ) نے فرمایا:

وھذا الاحادیث اربعۃ اقسام، صحاح وحسان وغرائب وموضوعۃ

" یہ احادیث چار قسم کی ہیں جن میں سے صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں، غریب بھی ہیں اور موضوع بھی[2]۔"

(5) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن جعفر بن ادریس کتانی رحمہ اللہ (۱۲۷۴۔ ۱۳۴۵ھ) اس بارے میں تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں:

والحاصل ان الاحادیث الواردۃ فی المہدی المنتظر متواترۃ

" خلاصہ کلام یہ ہے کہ مہدی منتظر کے بارے میں وارد احادیث متواتر ہیں[3]۔"

(6) علامہ شمس الدین ابو العون محمد بن احمد بن سالم سفارینی رحمہ اللہ (۱۱۱۴۔ ۱۱۸۸ھ) لکھتے ہیں:

من اشراط الساعۃ التی وردت بہا الاخبار وتواترت فی مضمونہا الاثار

" امام مہدی کا ظہور قیامت کی ان علامات میں سے ہے جن کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور جن کے بارے میں متواتر آثار مروی ہیں[4]

(7) علامہ محمد امین بن محمد مختار شنقیطی رحمہ اللہ (۱۳۲۵۔ ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

وقد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرۃ روایتہا عن المختار صلی اللہ علیہ وسلم بمجیء المہدی، وانہ من اہل بیتہ

" امام مہدی کے آنے اور ان کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہونے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر و مشہور احادیث مروی ہیں[5]۔"

محترم قارئین! مندرجہ بالا احادیث مبارکہ اور محدثین کے اقوال کے بالکل برعکس مرزا غلام احمد قادیانی خود لکھتا ہے کہ

---

[1] منہاج السنۃ لابن تیمیۃ: 4/95

[2] المنار المنیف لابن القیم: ص: 148

[3] نظم المتناثر فی الحدیث المتواتر للکتانی، ص: 47

[4] لوامع الأنوار البہیۃ للسفارینی: 2/70

[5] الجواب المقنع المحرر للشنقیطی، ص: 30

”میرا یہ دعوی نہیں ہے کہ میں وہ مہدی ہوں جو مصداق من ولد فاطمۃ و من عترتی وغیرہ ہے بلکہ میرا یہ دعوی تو مسیح موعود ہونے کا ہے اور مسیح موعود کے لیے کسی محدث کا قول نہیں کہ وہ بنی فاطمہ وغیرہ میں سے ہو گا۔ہاں ساتھ اس کے جیسا کہ تمام محدثین کہتے ہیں اور میں بھی کہتا ہوں کہ مہدی موعود کے بارے میں جس قدر حدیثیں تمام مجروح اور مخدوش ہیں اور ان میں ایک بھی صحیح نہیں۔۔۔۔۔ مگر دراصل یہ تمام حدیثیں کسی اعتبار کے لائق نہیں[1]۔“

قارئین کرام جیسا کہ میں نے صحیح احادیث اور محدثین کے اقوال سے امام مہدی کے بارے میں امت مسلمہ کا عقیدہ واضح کیا ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی خود کو نہ تو ان احادیث کے مطابق امام مہدی قرار دیتا ہے بلکہ صریح کذب بیانی کرتے ہوئے ان تمام احادیث کو مجروح، مخدوش اور ناقابل اعتبار بھی قرار دیتا ہے پھر کیونکر مرزا قادیانی وہ امام مہدی ہو سکتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کے مصداق ہو در حقیقت بیعت لیتے وقت قادیانی ذریت صریح دھوکہ دہی سے کام لیتی ہے۔

محترم قارئین! مرزا قادیانی مزید لکھتا ہے کہ

”اور ان حدیثوں کے مقابل پر وہ حدیث بہت صحیح ہے جو ابن ماجہ نے لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ لا مھدی الا عیسیٰ یعنی کوئی مہدی نہیں صرف عیسی ہی مہدی ہے جو آنے والا ہے[2]۔“

محترم قارئین! مرزا قادیانی نے سنن ابن ماجہ کی جو روایت پیش کی ہے وہ بمع سند ملاحظہ فرمائیں:

" حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الشَّافِعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الْجَنَدِيُّ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَا يَزْدَادُ الْأَمْرُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَا الدُّنْيَا إِلَّا إِدْبَارًا، وَلَا النَّاسُ إِلَّا شُحًّا، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ، وَلَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ "

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاملہ میں شدت بڑھتی جائے گی اور دنیا میں ادبار (افلاس اور اخلاق رذیلہ) بڑھتا ہی جائے گا، لوگ بخیل سے بخیل تر ہوئے جائیں گے اور قیامت انسانیت کے بدترین افراد پر قائم ہو گی، مہدی نہیں ہونگے مگر مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ اسلام)۔[3]

یہ روایت سنن ابن ماجہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی ملتی ہے لیکن چونکہ تمام کتابوں میں اس کی سند " محمد بن ادریس الشافعی " سے آگے ایک ہی ہے اس لئے ہم صرف سنن ابن ماجہ کی روایت پر ہی بات کریں گے۔

---

[1] براہین احمدیہ حصہ پنجم مندرجہ روحانی خزائی ن جلد 21 صفحہ 356

[2] براہین احمدیہ حصہ پنجم مندرجہ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 356

[3] سنن ابن ماجہ، حدیث: 4039

قارئین کرام! اس روایت کو تمام محدثین نے ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے اس روایت کے متعلق پہلے چند محدثین کی آراء کو ملاحظہ فرمائیں

چنانچہ شارح مشکوۃ ملا علی القاری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

" ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ حَدِيثَ: لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْمُحَدِّثِينَ "

جان لو کہ "لامھدی الا عیسیٰ" والی حدیث کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔[1]

علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ : قال الصغاني موضوع" اس حدیث کے بارے میں امام صغانی رحمتہ اللہ علیہ (حسن بن محمد الصغانی، وفات 650ھ) نے کہا ہے یہ موضوع (من گھڑت) حدیث ہے۔[2]

نوٹ: امام صغانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی یہ بات اپنی کتاب "الدر الملتقط فی تبیین الغلط" میں ذکر کی ہے۔[3]

امام شمش الدین ذھبی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"لا مهدي إلا عيسى ابن مريم، وهو خبر منكر أخرجه ابن ماجة" یہ روایت منکر ہے جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیۃ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

" وَالْحَدِيثُ الَّذِي فِيهِ: " «لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ» " رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ " وہ حدیث جس میں ہے کہ نہیں مہدی مگر عیسیٰ بن مریم اور جو ابن ماجہ نے روایت کی ہے ضعیف ہے۔[5]

علامہ محمد عبد العزیز فرھاری رحمتہ اللہ علیہ

یہ بیان کرتے ہوئے کہ احادیث متواترہ میں یہ بات آئی ہے کہ مہدی اہل بیت میں سے ہوں گے اور وہ زمین میں حکمرانی بھی کریں گے اور ان کی ملاقات عیسیٰ علیہ اسلام سے ہوگی۔ آگے بیان کرتے ہیں کہ ان متواترہ روایات کے خلاف اگر کوئی روایت ہے تو وہ صحیح نہیں، اور انہی روایات میں سے "لا مھدی الا عیسیٰ" والی روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد 10 صفحہ 101

[2] (الفوائد المجموعۃ في الأخبار الموضوعۃ، صفحہ 439، المکتب الاسلامی

[3] الدر الملتقط صفحہ 34 روایت نمبر 44

[4] میزان الاعتدال جلد 3 صفحہ 535

[5] منہاج السنۃ النبویۃ جلد 4 صفحہ 101 تا 102

" و کذا ما قِیل آنہ عیسیٰ علیہ اسلام بن مریم مستدلاً بحدیث لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم لان الحدیث لا یصح " اسی طرح جو یہ کہا جاتا ہے کہ مہدی تو حضرت عیسیٰ بن مریم ہی ہیں اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نہیں مہدی مگر عیسیٰ بن مریم (تو یہ استدلال صحیح نہیں) کیونکہ یہ حدیث صحیح نہیں۔[1]

محترم قارئین! یہ تو تھے اس روایت کے متعلق محدثین کی آراء اب آپ کے سامنے اس حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں مرزا قادیانی کا بھی اعتراف پیش کرتا ہوں چنانچہ مرزا قادیانی خود رقمطراز ہے کہ

"اہل ولایت بذریعہ کشف آنحضرت ﷺ سے احکام پوچھتے ہیں اور ان میں سے جب کسی کو کسی واقعہ میں حدیث کی حاجت پڑتی ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے پھر جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتے ہیں اور آنحضرت جبرائیل سے وہ مسئلہ جس کی ولی کو حاجت ہوتی ہے پوچھ کر اس ولی کو بتا دیتے ہیں یعنی ظلی طور پر وہ مسئلہ بہ نزول جبرائیل منکشف ہو جاتا ہے' پھر شیخ ابنِ عربی نے فرمایا ہے کہ ہم اس طریق سے آنحضرت ﷺ سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں موضوع ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں۔[2]"

ایک اور مقام پر مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ

"میرا یہ بھی مذہب ہے کہ اگر کوئی امر خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے متعلق تو گو علمائے ظواہر اور محدثین اس کو موضوع یا مجروح ٹھہراویں مگر میں اس کے مقابل اور معارض کی حدیث کو موضوع کہوں گا اگر خدا تعالیٰ نے اس کی صحت مجھ پر ظاہر کر دی ہے جیسے لَامَھْدِیْ اِلَّا عِیْسٰی والی حدیث ہے محدثین اس پر کلام کرتے ہیں مگر مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ میرا مذہب میرا ہی ایجاد کردہ مذہب نہیں بلکہ خود یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ اہلِ کشف یا اہلِ الہام لوگ محدثین کی تنقید حدیث کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے[3]۔"

لیجیے قارئین کرام! مندرجہ بالا تحریر میں مرزا قادیانی ایک طرف تو اس بات کا اقراری ہے کہ اس حدیث پر محدثین نے جرح کی ہے تو دوسری طرف یہ کہہ کر کہ اہل کشف محدثین کی جرح کے پابند نہیں ہوتے اپنے آپ احادیث کیا صحت کو جانچنے کے تمام قوانین سے آزاد قرار دے رہا ہے

---

[1] النبراس شرح شرح العقائد، صفحہ 667

[2] ازالہ اوہام صفحہ 77، 78 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 177، 178

[3] ملفوظات مرزا غلام احمد قادیانی جلد 2 صفحہ 45 طبع چہارم

قارئین کرام! لفظ مسیح موعود کسی بھی حدیث میں نہیں آیا بلکہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کی طرف سے عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے کیونکہ تمام احادیث میں نام کی صراحت کے ساتھ نزول عیسی ابن مریمؑ کا ذکر ہے جبکہ مرزا قادیانی کا نام مرزا غلام احمد قادیانی ابن چراغ بی بی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نزول عیسی ابن مریم کی پیشگوئی کی ہے نہ کہ غلام احمد قادیانی ابن چراغ بی بی کی۔ اب لوگوں دھوکہ دینے کے لیے احادیث میں موجود نام کی بجائے مسیح موعود کا لفظ ایجاد کیا گیا۔

اب میں آپ کو مرزا غلام احمد قادیانی کی ہی ایک تحریر پیش کر کے ثابت کروں گا کہ وہ مسیح موعود بھی نہیں ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی رقمطراز ہے:

"پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہو گا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا۔ اور نابالغ بچے نبوت کریں گے۔ اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے[1]۔"

اب ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ صرف ایک حدیث ایسی پیش کر دی جائے جس میں یہ لکھا ہو کہ " مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہو گا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا۔ اور نابالغ بچے نبوت کریں گے۔ اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے۔" اگر ایسی کوئی ی حدیث نہ ملے تو یاد رکھیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

یعنی جو شخص میرے نام سے وہ بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔[2]

نبی کریم ﷺ کی طرف ایک ایسی بات جو نبی ﷺ نے نہیں کہی منسوب کر کے بموجب فرمان رسول ﷺ مرزا قادیانی جہنمی قرار پاتا ہے اور امام مہدی یا مسیح موعود کوئی ی جہنمی نہیں ہو سکتا۔ اگر قادیانی حضرات کوئی ی ایسی روایت پیش بھی کر دیں تو تب بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ مرزا قادیانی کے دور میں کسی نابالغ بچے نے نبوت کی ہو اور ان لوگوں نے اسے نبی مانا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نہ تو وہ امام مھدی ہے اور نہ ہی مسیح ابن مریم جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی ی فرمائی تھی۔

4_ کیا قادیانی سربراہ خلیفۃ المسلمین ہے؟

محترم قارئین! جس گروہ کو اس کے کفریہ عقائد کی بنا پر امت مسلمہ اجتماعی طور پر زندیق اور مرتد قرار دے چکی ہو مسلمان کہلوانے کا بھی حق ختم کر چکی ہو اس بدترین گروہ کے سربراہ کو خلیفۃ المسلمین سمجھنا اور قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے ہاں خلیفۃ الزندیقین اور مرتدین کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ویسے بھی دنیا کا یہ واحد گروہ ہے کہ جن کے پاس دنیا کے کسی بھی خطے کی حکومت نہیں ہے اور بذات خود عیسائیوں کے ملک میں

---

[1] ضرورۃ الامام مندرجہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 475

[22] صحیح بخاری حدیث نمبر 109

پناہ گزیں ہیں اور یہود و نصاری کی چھتری تلے اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف ریشہ دیوانیوں میں مصروف ہیں تو ایسے گروہ کو خلیفۃ المسلمین تو دور کی بات مسلمان کہنے اور سمجھنے والا شخص بذات خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! آپ کے سامنے بتوفیق الہی قادیانیوں کے بیعت کے ڈرامے کی اصل حقیقت آپ کے سامنے واضح کر دی ہے امید ہے کہ اب ان کے کافر زندیق اور مرتد ہونے میں آپ کو کسی بھی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہے گا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔[2]

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے کچھ پیغمبر آئیں جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو جو لوگ تقوی اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے، ان پر نہ کوئی خوف طاری ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

قادیانی استدلال:

اس آیت میں تمام بنی آدم کو مضارع کے صیغے کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے اس لیے قیامت تک بنی آدم میں رسول آتے رہیں گے۔

جواب نمبر 1:

آپ کی دلیل آپ کے دعوے کے مطابق نہیں ہے۔ آپ حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ نبوت کی تین اقسام ہیں[3] ان میں سے دو قسم کی نبوت حضور علیہ سلام کے بعد بند ہے اور ایک قسم کی نبوت جاری ہے جو حضور علیہ السلام سے پہلے جاری نہیں تھی اور وہ بھی مرزا صاحب پر آ کر ختم ہو گئی۔ تو دلیل وہ پیش کریں جو آپ کے دعویٰ کے مطابق ہو۔

تین قسم کی نبوت میں سے ایک قسم کی نبوت جاری ہے اور دو قسم کے نبوت بند ہے۔[4]

اور وہ تیسری قسم کی نبوت بھی مرزا قادیانی پر بند ہو گئی۔[5]

---

[1] محمد اسامہ حفیظ: محقق ختم نبوت ورد قادیانیت

[2] سورۃ الاعراف آیت 35

[3] انوار العلوم جلد 2 صفحہ 277,276

[4] کلمۃ الفصل صفحہ 112

[5] تشحیذ الاذہان نمبر 3 صفحہ نمبر 31، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 578

جواب نمبر 2:

آپ نے جو دلیل پیش کی ہے اس میں لفظ رسول آیا ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے۔

رسول کا لفظ عام ہے جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں [1]۔

اور مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ عام لفظ کو کسی خاص معنوں میں محدود کرنا صریح شرارت ہے [2]۔ تو گزارش یہ ہے کے قادیانی شرارتی نہ بنے اور وہ دلیل پیش کریں جو ان کے دعوے کے مطابق ہے ۔

جواب نمبر 3:

اگر یہ اجرائے نبوت کی دلیل ہے تو اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی سب ہی نبی ور سول بن سکتے ہیں کیوں کہ یہ سب ہی بنی آدم میں آتے ہیں اور تو اور اگر یہ اجرائے نبوت کی دلیل ہے تو اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورتیں، بچے، خواجہ سرا بھی نبی اور رسول بن سکتے ہیں.

ماهوا جوابكم فهو جوابنا

جواب نمبر 4 :

اگر یہ اجرائے نبوت کی دلیل مان بھی لی جائے تو بھی مرزا صاحب نبی نہیں بنتے کیونکہ کہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں انہوں نے اپنا بنی آدم ہونے سے انکار کیا ہے۔

لکھتے ہیں:

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار [3]

اگر مرزا صاحب نے سچ بولا ہے تو اس دلیل کے مطابق آپ ان کو نبی ثابت نہیں کر پائیں گے اور اگر جھوٹ بولا ہے تب تو مرزا صاحب نبی نہیں ہو سکتے کیونکہ جھوٹا نبی نہیں ہوتا۔

---

[1] آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 322

[2] روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 444

[3] روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 127

ایک تاویل اور اس کا جواب:

قادیانی کہتے ہیں ہیں یہ مرزا صاحب نے کسر نفسی کی ہے۔

جواب یہ ہے کے آج تک کسی عقلمند آدمی نے اس طرح کسر نفسی نہیں کی۔ اگر کی ہے تو بائبل کی کہانیوں کے علاوہ قرآن و حدیث سے کوئی دلیل پیش کرو۔ اب مرزا صاحب کی کسر نفسی کی کچھ حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

لکھتے ہیں:

ابن مــــریم کے ذکر کو چھوڑو

اســس سے بہــتر غـلام احمــد ہے[1]

اسی طرح کے اور اشعار دیکھنے کے لیے خزائن جلد 21 صفحہ 144 خزائن جلد 18 صفحہ 477 وغیرہ دیکھیں۔

جواب نمبر 5:

تحقیقی جواب قادیانیوں کے اس باطل استدلال کا یہ ہے:

آیت مبارکہ کے سیاق وسباق کو دیکھنے سے یہ بات روز روشن سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں پر حکایت مرضی کی ہے۔ اللہ تعالی نے جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا تھا اس کا ذکر کیا اور اس کے بعد تمام واقعات بڑی تفصیل سے اللہ تعالی نے بیان فرمائیے اور اس ضمن میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جب ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتار دیا تو ان کو خطاب کیا گیا۔ اس سورت میں چار جگہوں پر بنی آدم سے خطاب کیا گیا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔[2]

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے ان حصوں کو چھپا سکے جن کا کھولنا برا ہے، اور جو خوشنمائی کا ذریعہ بھی ہے۔ اور تقوی کا جو لباس ہے وہ سب سے بہتر ہے۔ یہ سب اللہ کی نشانیوں کا حصہ ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ سبق حاصل کریں

۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

---

[1] روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 240

[2] سورۃ الاعراف آیت 26

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہر گز ہر گز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، جبکہ ان کا لباس ان کے جسم سے اتروالیا تھا، تاکہ ان کو ایک دوسرے کی شرم کی جگہیں دکھادے۔ اور وہ اس کا جتھ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیطانوں کو ہم نے انہی کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے کچھ پیغمبر آئیں جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو جو لوگ تقوی اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کرلیں گے، ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ان چاروں جگہوں پر اولاد آدم کو خطاب کیا گیا ہے اور یہ حضور علیہ صلاۃ و سلام کے سامنے ماضی کی حکایت کی گئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ وسلم کی امت کو خطاب نہیں ہوا۔ کیوں کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے جب بھی حضور علیہ السلام کی امت کو خطاب کیا گیا ہے تو

" یایھا الناس " اور " یایھا الذین آمنوا "

سے خطاب کیا جاتا ہے یابنی آدم سے اس امت کو خطاب نہیں کیا گیا۔

نوٹ اگر کسی پہلے حکم کا نسخ نہ ہو اور اس حکم میں یہ امت بھی شامل ہو جائے تو یہ علیحدہ بات ہے۔

چنانچہ اس کے بعد اس وعدے کے مطابق جو اللہ تعالی نے رسول بھیجے ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جیسے

ولقد أرسلنا نوحا

وغیرہ اس سلسلے کو بیان کرتے کرتے آگے چل کر فرمایا

ثم بعثنا من بعدهم موسی

پھر دیر تک موسی علیہ السلام کا تذکرہ چلتا گیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ نبوت کو کو پہنچا دیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ یوں فرمایا

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔[1]

---

[1] سورۃ اعراف آیت 158

کہو کہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں (۷۷) جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ سلام کو نازل کرنے کے بعد رسولوں کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اسے پورا کیا اور پھر اس کے بعد اپنے وعدے کے مطابق جن رسولوں کو بھیجا ان کی ایک مختصر تاریخ بیان کی حتیٰ کہ اس رسالت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر نبوت اور رسالت کے سلسلے کو مکمل فرما دیا اب کسی نئے نبی یا شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

نوٹ:

قادیانی "یبني ادم"

کے لفظ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک اور آیت بھی پیش کرتے ہیں

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ۔۔۔ کہ اس آیت میں " يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ " کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے اور اس میں مسجد کا ذکر ہے اور مسجد امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے اس سے ثابت ہوا کہ جو آپ نے اصول بتایا تھا کہ

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ۔۔ سے امت محمدیہ کو خطاب نہیں کیا جاتا وہ غلط ہے۔

اس کا جواب ہے کہ آپ کا یہ اصول کہ مسجد کا لفظ امت محمدیہ کے لیے خاص ہے یہ ہی غلط ہے کیونکہ سورہ کہف میں اللہ نے پہلی امتوں کے لیے بھی مسجد کا ذکر کیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا ۚ اِذۡ يَتَنَازَعُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اَمۡرَهُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَيۡهِمۡ بُنۡيَانًا ؕ رَبُّهُمۡ اَعۡلَمُ بِهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰٓى اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا [1]

اور یوں ہم نے ان کی خبر لوگوں تک پہنچا دی، تاکہ وہ یقین سے جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، نیز یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ (پھر وہ وقت بھی آیا) جب لوگ ان کے بارے میں میں آپس میں جھگڑ رہے تھے، چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنادو۔ ان کا رب ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔ (آخر کار) جن لوگوں کو ان کے معاملات پر غلبہ حاصل تھا انہوں نے کہا کہ: ہم تو ان کے اوپر ایک مسجد ضرور بنائیں گے

[1] سورۃ الکھف آیت 21

جواب نمبر 6:

اگر اس آیت سے نبوت جاری ثابت ہوتی ہے تو اس قسم کی یہ آیت بھی موجود ہے

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[1]

پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ اس آیت میں بھی وہی "یاتینکم" ہے اور اس کا سیاق و سباق بھی وہی ہے اگر اس (سورت الاعراف آیت 35) آیت سے نبوت اور رسالت جاری ہے تو اس (سورت البقرہ آیت 38) آیت سے شریعت جاری ہے حالانکہ شعریت تمہارے نزدیک بند ہے۔ ما هو جوابكم فهو جوابنا

جواب نمبر 7:

اس آیت يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ میں لفظ اِمَّا ہے۔ اور اِمَّا حرف شرط ہے۔ جس کا تحقق ضروری نہیں جس طرح مضارع کے لیے استمرار ضروری نہیں جیسے آیت سے واضح ہے

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا[2]

اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو

اس آیت کا اگر قادیانی اصول کے مطابق ترجمہ کریں تو یوں بنے گا کہ مریم قیامت تک آدمی کو دیکھتی رہیں گی۔ حالانکہ یہ ترجمہ قادیانی نہیں مانتے پاس جس طرح اس آیت کی رو سے مریم قیامت تک کسی آدمی کو نہیں دیکھتی رہیں گی اس طرح اس آیت

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

کی رو سے بھی حضور علیہ السلام کے بعد قیامت تک نبی نہیں آتے رہیں گے۔ (مضارع کے صیغے کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے کا جواب)

جواب نمبر 8:

اس آیت کا شان نزول قادیانیوں کے تسلیم کردہ مجدد امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا

ابو سیار سلیمی سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے سیدنا آدم اور ان کی اولاد کو مٹھی میں لے لیا اور فرمایا

---

[1] سورۃ البقرہ آیت 38

[2] سورۃ مریم آیت 26

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

پھر رسولوں پر نظر رحمت ڈالیں تو فرمایا

یاایھا الرسل[1]

اس عبارت سے ثابت ہوا کے قادیانیوں کے تسلیم کردہ مجدد

کے نزدیک یہ عالم ارواح کی حکایت ہے۔ تو اس سے کسی صورت بھی نبوت کا جاری رہنا ثابت نہیں ہوتا۔

اور مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مجدد کا منکر فاسق ہے[2] قادیانیوں سے گزارش ہے کہ فاسق نہ بنے اپنے مرزا صاحب کے بقول

جواب نمبر 9:

آیت مبارکہ میں

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے رسول شریعت لائیں گے۔ تو اگر یہ اجرائے نبوت کی دلیل ہے تو یہ تو قادیانی عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ یہ شریعت والے نبی کے آنے کے قائل نہیں ہیں۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا

جواب نمبر 10:

قادیانی جس قسم کی نبوت کو جاری مانتے ہیں وہ تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی برکت سے ملتی ہے (روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 30) تو قادیانی سے گزارش ہے کہ دلیل وہ پیش کریں جو آپ کے عقیدہ کے مطابق ہو۔

جواب نمبر 11:

اگر آیت

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اجرائے نبوت کی دلیل ہے تو یہ دلیل مرزا قادیانی کو پیش کرنی چاہیے تھی مرزا قادیانی کی کسی کتاب سے یہ آیت پیش کر دیں جس میں اس نے اس آیت کو اجرائے نبوت کی دلیل کہا ہو۔

نوٹ: مرزا قادیانی نے اپنی کسی کتاب میں اس ایت کو اجرائے نبوت کی دلیل نہیں کہا۔

---

[1] تفسیر در منثور جلد 3 صفحہ 262

[2] خزائن جلد 6 صفحہ 344

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے بارے میں امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو آسمان پر زندہ اٹھایا اور قرب قیامت ان کا نزول ہو گا۔ پاکستان کے اندر خصوصی طور پر اور دیگر دنیا میں بھی ایک مذہب ہے جسے قادیانیت کہا جاتا ہے جو اس بات پر مصر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات ہو گئی ہے اب انہوں نے نازل نہیں ہونا، وہ کہتے ہیں کہ اگر ان کا نزول ہو گا تو یہ خاتم النبیین کے خلاف ہے۔ تو اس پر امت مسلمہ اور قادیانیوں کے مابین کئی ایک مناظرے ہوئے اس پر مباحثے ہوئے، الحمدللہ اللہ تعالی نے اہل حق کو اس میں فتح عطا فرمائی۔ آئے روز ان کے ساتھ مناظرے ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت و فلاح کے لیے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس کی تعبیر و تشریح حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے بغیر ممکن نہیں۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مہیا کرتی ہیں۔ تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت زمین پر نازل ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے 30 سے زائد صحابہ کرامؓ روایت کر رہے ہیں۔ احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور اس کے بعد ان کے کارناموں اور ذمہ داریوں نشانیاں بڑے واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔ اہل کفار کے خلاف قتال اور دیگر فتنوں کے خاتمے پر حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کی خلافت قائم ہو گی۔ آپ کی خلافت کے زمانے میں امت پر نعمتوں کی اس قدر فراوانی ہو گی اور ایسی خوشحالی حاصل ہو گی کہ امت کو پہلے کبھی ایسی خوشحالی حاصل نہ ہو سکی ہو گی

تفسیر ابن کثیر کا مختصر تعارف:

تفسیر ابن کثیر کا اصل نام تفسیر القرآن العظیم ہے۔ اسے تفسیر سلفی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تفسیر عربی زبان میں دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۸۳ء میں شائع ہوا جو نواب صدیق حسن خان کی تفسیر فتح البیان کے حاشیہ پر

---

1 احسن رضوان عثمانی: ایم فل سکالر

درج تھا۔ دوسرا ایڈیشن تفسیر بغوی کے ساتھ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ اسی سال اس کا تیسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا جو چار جلدوں پر مشتمل ہے ۔ تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ چار جلدوں میں چھپ چکا ہے۔ علامہ کثیر کا اصل نام اسماعیل، کنیت ابو الفداء اور لقب عماد الدین ہیں۔ آپ کے والد کا نام عمر اور دادا کا نام کثیر تھا۔ آپ اپنے دادا کی نسبت سے ابن کثیر کے نام سے مشہور ہیں۔ دمشق میں تعلیم و تربیت پائی۔ آپ نے اپنے عہد کے ممتاز علماء سے استفادہ کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، علم الرجال اور نحو و لغتِ عربی میں مہارت حاصل کی۔ علامہ ابن کثیر نے قرآن کی جو تفسیر لکھی وہ عموماً تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے اور قرآنِ کریم کی تفاسیر ماثور میں بہت شہرت رکھتی ہے۔ اس میں مؤلف نے مفسرین سلف کے تفسیری اَقوال کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا ہے اور آیات کی تفسیر اَحادیثِ مرفوعہ اور اَقوال و آثار کی روشنی میں کی ہے۔

ابن کثیر کے اندازِ تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں جامع بحث اور تبصرے کے بعد اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں اور اخذ کردہ نتائج کو سامنے لاتے ہیں۔ ابن کثیر کی تفسیر میں تکرار نہیں پایا جاتا ماسوا ان بعض روایات کے جو انہوں نے مقدمہ کی بحث میں نقل کی ہیں۔ وہ کسی آیت کی تفسیر و تشریح کو دہرانے کی بجائے اس کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں اور اس کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کے بارے میں علماء کی رائے:

امام سیوطی کی رائے ہے:

"اس طرز پر اب تک اس سے اچھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی

صاحبِ 'البدر الطالع' فرماتے ہیں:

"ابن کثیر نے اس میں بہت سا مواد جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے مختلف مذاہب و مسالک کا نقطہ نظر اور اخبار و آثار کا ذخیرہ نقل کر کے ان پر عمدہ بحث کی ہے۔ یہ سب سے بہترین تفسیر نہ سہی، لیکن عمدہ تفاسیر میں شمار ہوتی ہے۔[1]

ابو المحاسن الحسینی کا بیان ہے:

"روایات کے نقطہ نظر سے یہ سب سے مفید کتاب ہے کیونکہ (ابن کثیر) اس میں اکثر روایات کی اسناد پر جرح و تعدیل سے کلام کرتے ہیں او رعام روایت نقل کرنے والے مفسرین کی طرح وہ مرسل روایتیں ذکر نہیں کرتے

---

[1]۔ الشوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، ۱/ ۱۵۳، مطبعۃ السعادۃ القاھرہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۴۸ھ

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا 'تفسیر ابن کثیر' کے بارے میں یہ بیان ہے:

"ابن کثیر کی تفسیر بنیادی لحاظ سے فقہ اللغۃ کی کتاب ہے اور یہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے اوّلین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ بعد میں سیوطی نے جو کام کیا، اس پر اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ [1]

وہ آیات جو حیات عیسیٰ پر دلالت کرتی ہیں:

آیت نمبر ۱:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ [2]

ترجمہ از ابن کثیر:

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی، اور اللہ تعالیٰ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر ہے

اس آیت میں ذکر ہے کہ یہودی حضرت عیسی علیہ السلام کے خلاف ان کو قتل کرنے کی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ یہود کے خلاف سیدنا عیسی کو بچانے کی تدبیر کر رہے تھے۔

تفسیر ابن کثیر:

حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں: کہ بنی اسرائیل کے اس ناپاک گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام کے جانی دشمن تھے۔ انہیں مروا دینے سولی پر لٹکانے کا قصد رکھتے تھے۔ جنہوں نے اس زمانہ کے بادشاہ کے کان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھرے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے ملک میں بغاوت پھیلا رہا ہے اور رعایا کو بگاڑ رہا ہے، باپ بیٹوں میں فساد برپا کر رہا ہے، بلکہ اپنی خباثت، خیانت، کذب و دروغ میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہا، اور آپ پر بڑے بڑے بہتان باندھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بادشاہ بھی دشمن جان بن گیا اور اپنی فوج کو بھیجا تا کہ اسے گرفتار کر کے سخت سزا کے ساتھ پھانسی دے دو۔ چنانچہ یہاں سے فوج جاتی ہے اور جس گھر میں آپ تھے اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے ناکہ بندی کر کے گھر میں گھستے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے صاف بچالیتا ہے۔ اس کے روشن دان سے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیتا ہے اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی جاتی ہے۔ جو اسی گھر میں تھا۔ یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس کو عیسیٰ سمجھ لیتے ہیں اور گرفتار کر کر کے چلے جاتے ہیں۔ سخت توہین کرتے ہیں اور سر پر

---

[1] ۔ H.Laoust, Article: Ibn Kathir, the Encyclopaedia of Islam,Vol-III, P.818.

[2] سورۃ آل عمران آیت 54

کانٹوں کا تاج رکھ کر اسے صلیب پر چڑھا دیتے ہیں۔ یہی ان کے ساتھ اللہ کا مکر تھا کہ وہ تو اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے اللہ کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نجات دے دی تھی اور بدنیتی کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ ان کے دل ہمیشہ کے لئے سخت ہو گئے۔ باطل کے پر اڑ گئے اور آخر دنیا تک اس ذلت میں ہی رہ پڑے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اگر انہیں خفیہ تدبیر کرنے آتی ہے تو کیا ہم نہیں جانتے ہم تو ان سے بہتر مکر کرنے والے ہیں۔[1]

آیات رفع:

آیات رفع میں پہلی آیت ہے:

اذ قال اللہ یا عیسی انی متوفیك ورافعك الی ومطهرك من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامه،ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیه تختلفون۔2

ترجمہ ابن کثیر:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر رکھنے والا ہو قیامت کے دن تک، پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ پھر میں تمہارے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔

ہماری پیش کردہ دوسری آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا کہ عیسیٰ مرے نہیں تو تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں کی گرفت سے آزاد کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا لیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فریق ہوں گے۔ یہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ کا کیا ہوا ترجمہ ہے اب اس کی مزید وضاحت دیکھیے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ سلام سے چار وعدے فرمائے۔

وعدہ نمبر 1: انی متوفیك" میں تجھ کو پورا پورا لینے والا ہوں۔

---

[1]۔ تفسیر آیت نمبر 54 سورۃ آل عمران

[2]۔ آل عمران آیت 55

وعدہ نمبر 2: ورافعك الی "اور میں آپ کو اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں یا اٹھانے والا ہوں۔

وعدہ نمبر 3: ومطهرك من الذین كفروا اور تجھ کو ان سب سے پاک کرنے والا ہوں یعنی کافروں سے۔

وعدہ نمبر 4: وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین كفروا الی یوم القیامة ان لوگوں پر آپ کے قوم کے لوگوں کو قیامت کے دن تک غالب کرنے والا ہوں ہوں۔

ثم الی مرجعكم۔۔۔۔الخ، پھر تم نے میرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

یہاں پر یہ چار وعدے اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ فرمائے ہیں۔ اب آیئے دیکھیں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر و مفسر ہیں جن کے بارے میں مرزا قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی پوری جماعت جس کو مفسر بھی تسلیم کرتے ہیں اور مجدد تسلیم کرتے ہیں ہیں دیکھئے وہ کیا وضاحت فرماتے ہیں:

علامہ ابن کثیر کا ترجمہ و تشریح:

بعض مفسرین فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا پھر اس کے بعد تجھے فوت کروں گا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے آپ کو اٹھاتے وقت شروع دن میں تین ساعت تک فوت کر دیا تھا، ابن عباس کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا خیال ہے کہ اللہ نے آپ کو سات سات تک فوت رکھا پھر زندہ کیا، وہب فرماتے ہیں کہ تین دن تک موت رہی پھر زندہ کر کے اٹھالیا گیا۔ مطروراق فرماتے ہیں: یعنی میں تجھے دنیا میں پورا پورا دینے والا ہوں، یہاں وفات موت مراد نہیں، اسی طرح ابن جریر فرماتے ہیں توفی یہاں سے مراد ان کا رفع ہے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وفات سے مراد یہاں موت نہیں ہے جیسے اور جگہ قرآن پاک میں ہے: هو الذی یتوفاكم باالليل اور ایک اور جگہ فرماتے ہیں الله یتوفی الانفس حين موتها اور ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم پر بہتان عظیم باندھ لینے کی بنا پر اور اس باعث وہ کہتے تھے ہم نے قتل کر دیا۔ حالانکہ نہ ہی قتل کیا اور نہ ہی صلیب دی۔ لیکن ان کے شبہ ڈال دیا گیا۔ موتہ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ یعنی تمام اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے، جب کہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے۔ بس اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ وہ نہ جزیہ لیں گے نہ سوائے اسلام کے کوئی اور بات قبول کریں گے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت حسن سے انی متوفيك کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالی نے اٹھالیا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں۔

پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا لیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فریق ہو گئے ایک فرقہ تو آپ کی بعثت پر ایمان رکھنے والا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی ایک بندی کے لڑکے ہیں۔ [1]

قرآن کریم کی روشنی میں عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے بعد تین گروہ بن گئے تھے، بعض وہ تھے جنہوں نے کہا کہ: عیسیٰ کو قتل کر دیا گیا یہ تھا یہودیوں کا گروہ، لیکن عیسائیوں کے بھی دو گروہ بن گئے تھے، پھر ایک گروہ کہتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ بن کے ہماری طرف سے صلیب پہ چڑھ کے قتل ہو گئے، ایک ان کا گروہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے اور نہ ہی صلیب پر لٹکائے گئے ان کی جگہ ایک حواری قتل ہوا صلیب پر چڑھ کر۔

اسی طرح علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ النساء کے ضمن میں بھی اسی کا دوبارہ تذکرہ فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہارے ساتھ تعاون کرنے والا ہوں، اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، حضرت روح اللہ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح کی شبیہ ڈال دی گئی تھی عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہ خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ اور لطف تو یہ ہے کہ تمام عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح کے ساتھ اس مقام میں تھے اور جن کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھ گئے اور یہ شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ [2]

تو دیکھ لیں جی جہاں جہاں پر متوفی کا لفظ آیا وہاں پر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے مراد ہمیشہ پورا پورا لینا ہی لیا ہے۔

آیت نمبر 3:

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسىٰ ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا لفي شك منه،مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا،بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزا حكيما۔ [3]

ترجمہ ابن کثیر:

---

[1]۔ تفسیر ابن کثیر ص 501-502

[2]۔ تفسیر ابن کثیر سورۃ النساء آیت 155

[3] سورۃ النسا آیت 157

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح ابن مریم علیہ السلام کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنا دی گئی تھی یقین جانو کہ اس کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حامل شک میں ہیں انہیں اس کا کوئی یقین نہیں کبجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے، اتنا یقینی ہے کہ انھوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اللہ تعالی بڑا زبردست اور پوری حکمت والا ہے

تفسیر ابن کثیر:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہودی پہلے دن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف چلے آرہے تھے پہلے انہوں نے جرم یہ کیا کہ مریم علیہا السلام پر زناکاری جیسی بدترین شرم ناک تہمت لگائی اور پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے، پھر ان کا پورا بیان ہو رہا ہے کہ بطور صفت یہ بطور تمسخر اور بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے کہ ہم نے عیسیٰ کو مار ڈالا، جیسا کہ بطور تمسخر حضور علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیاتُو تو مجنون ہے، پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے معجزات دکھائے، مثلاً پیدائشی اندھے کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے پرندے بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو جانا وغیرہ تو یہودیوں کو بہت طیش آیا اور یہ مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی۔ آپ کی زندگی تنگ کر دی گئی کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا، ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گزاری، پھر بھی انہیں چین نہ آیا، اور یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے یہ ستارہ پرست مشرک تھا اس مذہب والوں کو اس وقت یونانی کہا جاتا تھا، یہاں آکر یہ بہت روئے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اکسایا اور کہا یہ شخص بڑا مفسد ہے، لوگوں کو بہکا رہا ہے، روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے، بات نہیں کرتا ہے دماغی خلل ڈالتا ہے اور لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا ایک فرمان لکھا کہ وہ اس کو گرفتار کر لیں اور سولی پر چڑھا کر اور اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس سے نجات دلائے۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ علیہ السلام تھے۔ آپ کے ساتھ اس وقت 12 13 یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے، جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کر لیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لے رکھا، جب حضرت عیسی علیہ السلام نے یہ محسوس کیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا، تو آپ علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شفاعت ڈال دی جائے؟ یعنی اس کی صورت اللہ تعالی مجھ جیسی بنادے اور ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ خلاصی دے۔ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ یہ سن کر ایک نوجوان نے کہا مجھے منظور ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا، تیسری دفعہ کہا مگر ہر دفعہ صرف یہی تیار ہوئے۔ اب آپ نے بھی منظور فرمالیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی، بلکہ یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام یہی ہے اور چھت کی طرف روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ کی حالت طاری ہو گئی، اور اسی طرح آسمان پر اٹھا لے گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔۔۔ الخ، حضرت روح اللہ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے یہودیوں کی جماعت نے اس کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی یہ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اس کو سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا، اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے اس ابن مریم کو قتل کر کر دیا، اور لطف یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاھل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی، ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جن کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ شہید ہو گیا، باقی عیسائی بھی یہودیوں جیسی راگنی الاپنے لگے پھر یہ بھی گھڑ لیا تھا کہ عیسیٰ کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی رہی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں، واللہ اعلم [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تو آپ گھر میں آئے تھے اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے، آپ کے بالوں ے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، آپ نر فرمایا: "تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر بارہ بار مجھ سے کفر کریں گے،" پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعضوں نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا پھر ان کے تین گروہ ہو گئے یعقوبیہ نسطوریہ اور مسلمان۔ یعقوبیہ تو کہنے لگے آگے خود اللہ ہم میں تھا جب تک چاہا رہا جب چاہا آسمان پر چڑھ گیا، نسطوریہ کا خیال آیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا اسے ایک زمانہ تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اسے اپنے پاس بلا لیا، مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسول ہم میں تھا جب تک اللہ نے چاہا ہم میں رہا پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ تو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک کمزور ہوتے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ وسلم کی مغفرت فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے، اور نسائی میں حضرت ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسی طرح سلسلے میں اس سے بھی بہت سے بزرگوں کا قول ہے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ "جس وقت شاہی، سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چڑھ کر آئے اور محاصرہ میں لے لیا، اس وقت آپ کیساتھ سترہ حواری تھے، ان لوگوں نے جب دروازہ کھول کر دیکھا تو سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت کے ہیں، اور وہ یہ کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا۔ اب یا تو جو حقیقی عیسیٰ ہوں ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ہے جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے بدلے سولی پر چڑھنا منظور کر لے۔ ایک صحابی اس کے لیے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰ میں ہوں۔ چناچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا اور سولی پر چڑھایا

---

[1]۔ تفسیر ابن کثیر درایت وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ

اور پھر بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس بلا کر رفعت بخشی۔[1]

آیات نزول آیت 4:

وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا واتبعون ھذا صراط مستقیم[2]

ترجمہ از ابن کثیر:

اور یقیناوہ (عیسیٰ بن مریم) قیامت کی علامت ہے، پس تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

تفسیر ابن کثیر:

اللہ کا ارشاد ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے تھے جن پر نبوت ورسالت کا انعام باری تعالیٰ ہوا اور انہیں قدرت باری تعالی کی ایک نشانی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین بنا کر فرشتوں کو اس زمین میں آباد کر دیتے، یا یہ کہ جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو یہی بات ان میں کر دیتے۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یعنی بجائے تمہارے زمین کی آبادی ان سے ہوتی، اس کے بعد جو فرمایا کہ قیامت کی نشانی ہے، جس کا مطلب ہے جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے وہ کچھ ٹھیک نہیں، اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات یہ ہے کہ بقول قتادہ حسن بصری، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "ہ" ضمیر کا مرجع قرآن ہے یہ دونوں قول غلط ہیں، بلکہ سہی بات یہ ہے کہ ضمیر عائد ہے، حضرت عیسیٰ پر، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک نشانی ہے، اس لئے کہ اوپر سے ہی آپ علیہ السلام کا بیان چلا رہا ہے، اور یہ واضح رہے کہ مراد یہاں سے عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے نازل ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: وان من الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ یعنی ان کی موت سے پہلے ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پھر قیامت کے دن یہ ان پر گواہ ہوں گے۔ اس مطلب کی پوری وضاحت اسی آیت کی دوسری قرائت سے ہوتی ہے، جس میں ہے (انہ لعلم اللساعۃ) یعنی جناب روح اللہ نشان اور علامت ہے قیامت کے قائم ہونے کی۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نشان ہیں کہ قیامت کے، یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا قیامت سے پہلے آنا، اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ابو ہریرہؓ، عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن سے اور متواتر احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام عادل اور حاکم

---

[1] ۔ تفسیر ابن کثیر

[2] سورۃ الزخرف آیت 61

انصاف ہو کر نازل ہوں گے۔ بس تم قیامت کا ہونا یقین جانو اس میں شبہ نہ کرو اور جو خبر تو میں دے رہا ہوں اس میں میری میری تابعداری کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے تمہیں صحیح راہ سے اور میری واجب اتباع سے روک دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: کہمیں حکمت یعنی نبوت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور دینی امور میں جو اختلاف تم نے ڈال رکھے ہیں اس میں جو حق ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔[1]

آیت نمبر5:

وان من اهل الكتاب آلا ليومنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا

ترجمہ از ابن کثیر:

اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔[2]

تفسیر ابن کثیر:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے قبل تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ علیہ السلام کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن آپ ان کے گواہ ہوں گے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

پہلا قول:

یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے یعنی جب آپ قتل دجال کے لیے دوبارہ زمین پر آئیں گے اس وقت تمام مذاہب اٹھ جائیں گے، اور صرف ملت اسلامیہ ابراہیم حنیف کی ملت رہ جائے گی۔ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں موتہ سے مراد حضرت عیسی علیہ السلام کی موت ہے۔ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب جناب مسیح علیہ السلام اتریں گے اس وقت اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے ہے کہ خاصۃ یہودی ایک بھی نہیں رہے گا، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے مروی ہے کہ: اللہ کی قسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں جو اس زمین پر نازل ہوں گے اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ بچے گا، جو آپ پر ایمان نہ لائے گا۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے وہ فرماتے: اللہ تعالی نے مسیح علیہ السلام

---

[1]۔ تفسیر ابن کثیر جلد چہارم صفحہ 621،632

[2]۔ النساء آیت نمبر 159

کو اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ علیہ السلام کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔ اور قتادہؒ، عبد الرحمن رحمۃ اللہ وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہ فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے۔ اور یہ تفسیر بالکل ٹھیک ہے۔ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بادلیل ثابت کریں گے۔

دوسرا قول:

یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا، اس لیے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر واضح ہو جاتا ہے تو ہر کتابی یعنی ہر اہل کتاب کا حضرت عیسیٰ کی حقانیت کو اس دار فانی سے روانگی کے پیشتر ہی باور کر لیتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ پر ایمان نہ لائے، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: ابن عباس سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑادی جائے تو اس کی روح اس وقت نکلتی جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرآت میں بھی ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے، فرمایا پھر بھی اس درمیانی فاصلہ میں ایمان لا چکا ہے۔ عکرمہ، محمد ابن سیرین اور دیگر سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا بھی ہے جس کا مطلب سابقہ قول کی تائید میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے۔[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور قیامت دوبارہ ہو گا:

اب ان حدیثوں کو سنیں جن میں بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری جسے ساری امت نے قبول کیا ہے، اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، عادل حاکم بن کر، صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ ہٹا دیں گے، اور مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس سے کوئی لینا پسند نہ کرے گا، ایک سجدہ کر لینا دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت وان من اہل الکتاب آخر تک تلاوت کی۔ صحیح مسلم میں بھی حدیث ہے اور سند سے یہ روایت بخاری اور مسلم میں مروی ہے۔ اس میں سجدہ اس وقت اللہ رب العالمین کے لیے ہو گا۔ اور اس آیت کی تلاوت میں قبل موتہ کے بعد یہ فرمان بھی ہے "قبل موت عیسیٰ ابن مریم" پھر اسے ابو ہریرہ کا تین مرتبہ دہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج یا

---

[1]۔ تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ 13،14،15

عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں گے، میدان فج روحاء میں۔ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی ایک دوسری حدیث میں ہے: کہ عیسیٰ بن مریم اتریں گے خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹائیں گے، نماز باجماعت ہوگی، اور مال راہ الٰہی میں اس قدر کثرت سے لیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا، خراج چھوڑ دیں گے اور روحاء میں جائیں گے اور وہاں حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ انہوں نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہ کا خیال ہے یا ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ: حضرت عیسیٰ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے، مجھے نہیں معلوم یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہ کے اپنے۔

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا جب تمہارے درمیان مسیح ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ ابو داؤد اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم سے زیادہ نزدیک تر میں ہوں، اس لیے کہ ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ یقیناوہ اترنے والے ہیں پس تم انہیں پہچان لو درمیانہ قد ہے، سرخ سفید رنگ ہے، دوممصر وکپڑے اوڑھے اور باندھے ہوئے ہوں گے، ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہونگے اگرچہ تری نہ پہنچی ہو، صلیب توڑیں گے، خنزیر قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی۔ صرف اسلام اسلام رہے گا۔ ان کے زمانہ میں اللہ تعالی مسیح دجال کو ہلاک کرے گا، پھر زمین پر امانت واقع ہوگی یہاں ت کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائیوں کے ساتھ، اور بھیڑیا بکری کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے، اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاپائے گی۔ چالیس برس تک رہیں گے پھر فوت ہوں گے مسلمان آپ کے جنازہ کی نماز ادا کریں گے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے آپ لوگوں سے اسلام پر جہاد کریں گے۔ اس حدیث کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری میں بھی ہے اور روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ قریب تر عیسیٰ علیہ السلام سے دنیا و آخرت میں میں ہوں۔[1]

(جاری ہے)

[1]۔ ابن کثیر ج2 صفحہ نمبر 16، 17

خداوند کا اضحاق سے ابدی عہد: ایک باطل عقیدہ

محمد عثمان فاروقی[1]

قارئین بائیبل مقدس میں مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات اور آنے والی شخصیات کی بہت سی پیشگوئیاں درج ہیں جن میں سے اکثر تکمیلی مراحل طے کر چکی ہیں، اور اکثر اپنے الہامی معیار کی وجہ سے، مقررہ وقت گزر جانے کے بعد بھی غیر تکمیل شدہ ہیں۔

بائیبل مقدس میں جن مستقبل میں آنے والے شخصیات یا انبیا کے بارے میں پیشگوئیاں کی ہیں ان آخری نبی محمد صل اللہ علایہ وسلم کے بارے میں بھی متعدد پیشگوئیاں موجود ہیں، مگر ہائے رے بد نصیبی، منکرین حق اسے کسی بھی صورت قبول کرنے پر رضامند نہیں، نا صرف یہ بلکہ انکی تاویلات کر کے ان پیشگوئیوں کو باطل کرنے میں اپنا حصہ ڈالنا فرض سمجھتے ہیں۔

مسیحیوں اور انکے علماء کا ذکر کیا جائے تو وہ حضرت محمد صل اللہ علیہ کی نبوت کے انکار کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں ہم بائبل مقدس میں محمد صل اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے بارے اس لیے بھی یقین نہیں رکھتے کیونکہ. خدا کا ابدی عہد اضحاق علیہ السلام سے تھا جبکہ اسماعیل علیہ السلام سے خدا کا برکت دینے کا یا بڑی قوم بنانے کا کوئی وعدہ نا تھا۔ پھر تو مسلمانوں کو حق نہیں پہنچتا کے وہ کسی اسماعیلی کے بارے میں کہیں کہ کسی اسماعیلی کو برکت دی یا اسے نبی بنایا۔

قارئین پہلے اس بارے میں بائبل مقدس کا بیان دیکھتے ہیں:

کتاب پیدائش کے باب 12 سے 17 کے مطابق خدا نے ابراہیم یہ 5 وعدے کیے:

1۔ تجھے بڑی قوم بناو گا
2۔ تیری اولاد کثرت سے ہو گی
3۔ تیری قوم سے بادشاہ ہونگے
4۔ تجھے برکت دونگا
5۔ کنعان کی سرزمین تجھے دونگا

[1] عثمان فاروق: ریسرچر تقابل ادیان: دعوت و اصلاح مسلم مسیحی مکالمہ

اب اگر دیکھا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں جو وعدے ہیں وہ سب وعدے اسماعیل علیہ السلام کے حق میں بھی ہوئے ہیں سوائے کنعان کی سرزمین دینے کے جیسا کہ لکھا ہے:

اور اِسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دُعا سُنی۔ دیکھ مَیں اُسے برکت دُونگا اور اُسے برومند کرونگا اور اُسے بڑھاؤنگا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور مَیں اُسے بڑی قوم بناؤنگا۔[1]

And as for Ishmael, I have heard thee: Behold, I have blessed him, and will make him fruitful, and will multiply him exceedingly; twelve princes shall he beget, and I will make him a great nation.

مزید لکھا ہے:

اور اُس لَونڈی کے بیٹے سے بھی مَیں ایک قوم پیدا کرونگا اِسلئے کہ وہ تیری نسل ہے[2]۔

And also of the son of the bondwoman will I make a nation, because he is thy seed.

یہاں خداوند اسماعیل علیہ السلام کو واضح الفاظ میں ابراہیم علیہ السلام کی نسل کہہ رہا ہے کہ "وہ تیری نسل ہے "یعنی کتاب مقدس نے یہ نہیں کہا کے اسماعیل علیہ سلام بت پرست ہو گیے ہیں یہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے کٹ گئے ہیں.. یہ سب من گھڑٹ الزامات ہیں کیونکہ اسماعیل علیہ السلام کے حق میں لکھا ہے:

''اور خُدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہُوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا''۔[3]

And God was with the lad; and he grew, and dwelt in the wilderness, and became an archer.

قارئین کتاب مقدس کے مطابق یہ درست ہے کہ پہلے عہد اضحاق علیہ السلام سے تھا اور انکی نسل کو خدا نے منتخب بھی کیا ان میں نبوت بھی دی انہیں کنعان کی سرزمین دی جہاں ہیکل تعمیر ہوا تھا جو کہ انکا مرکز تھا۔ خداوند کا اس نسل کو انکو منتخب کرنے کے کچھ مقاصد تھے جیسا کہ لکھا ہے:

''سو اب اگر تُم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تم ہی میرے میری خاص مِلکیت ٹھہروگے کیونکہ ساری زمین میری ہے۔ اور تم میرے لئے کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مقدس قوم ہوگے۔ ان ہی باتوں کو تو بنی اِسرائیل کو سنا دینا[4]۔''

---

[1] پیدایش 17:20
[2] پیدایش 21:13
[3] پیدایش 21:20
[4] خروج 19:5-6

Now therefore, if ye will obey my voice indeed, and keep my covenant, then ye shall be a peculiar treasure unto me above all people: for all the earth is mine:And ye shall be unto me a kingdom of priests, and an holy nation. These are the words which thou shalt speak unto the children of Israel.

یعنی خدا نے ان کو کاہنوں کی مملکت اور مقدس قوم بنایا اور ایک جگہ لکھا ہے کے خدا کے گواہ کے طور پر برگزیدہ کیا۔

کاہن کا کام خدا اور بندے کے بیچ رابطہ پیدا کرنا اور خدا کے خادموں کے طور پر لوگوں میں گواہی دینا کے خدا ایک ہے نا اس سے پہلے کوئی خدا تھا نا اس کے بعد ہو گا۔[1]

مگر اس کے بعد بنی اسرائیل نے خدا کے حکموں جھٹلایا اور انبیاء کو بھی قتل کرتے رہے۔

یسوع مسیح نے بھی کہا:" اے ریاکارو!!!فقہیو اور فریسیو!!!تم پر افسوس تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو، تم جہنم کی سزا سے کیسے بچو گے؟ راست باز ہابل کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریا کے کا قتل کا خون اس زمانے کے لوگوں پر آئے گا[2]"۔

یعنی ان سے عہد ختم کر دیا جائے گا اور بنی اسرائیل کی اسی نافرمانیوں اور برے کاموں کے سبب سیدنا مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی تمثیلاً کہا:

"اس کہانی کو سنو!ایک آدمی کا اپنا ذاتی باغ تھا اور وہ اپنے باغ میں انگور کی فصل لگاتا ہے،باغ کے اطراف دیوار تعمیر کی انگور کی مئے تیار کروانے کے لئے گڑھا کھدوایا اور نگرانی کے لئے مچان بنوایا۔وہ اس باغ کو چند کسانوں کو ٹھیکہ پر دیا اور دوسرے ملک کو چلا گیا،جب انگور کی فصل توڑنے کا وقت آیا تو اس نے نوکروں کو اپنا حصہ لانے کیلئے کسانوں کے پاس بھیجا۔تب ایسا ہوا کہ ان باغبانوں نے ان نوکروں کو پکڑ لیا اور ایک کی تو پٹائی کی اور دوسرے کو مار دیا اور تیسرے نوکر کو پتھر پھینک کر مار دیا*۔اس لئے اس نے پہلے جتنے نوکروں کو بھیجا تھا ان سے بڑھ کر نوکروں کو ان باغبانوں کے پاس بھیجا۔لیکن باغبانوں نے جس طرح پہلی مرتبہ کیا تھا اسی طرح دوسری مرتبہ ان نوکروں کو بھی ایسا ہی کیا۔ تب اس نے سمجھا کہ یقیناً باغبان میرے بیٹے کی عزت کریں گے اسلئے اس نے اپنے بیٹے ہی کو بھیجا۔لیکن جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں باتیں کرنے لگے یہ تو باغ کے مالک کا بیٹا ہے۔یہ باغ تو اسی کا ہو گا۔اسلئے اگر ہم اسکو مار دیں تو یہ باغ ہمارا ہی ہو گا۔اسطرح باغبانوں نے بیٹے کو پکڑ کر باغ سے باہر کھینچ کر لایا اور اسکو قتل کر دیا۔ان حالات میں جب باغ کا مالک خود آئیگا تو وہ ان کسانوں کا کیا کریگا؟۔یہودی کاہنوں اور قائدین نے کہا،"یقیناً وہ ان ظالموں کو ماریگا اور اپنا باغ دوسرے کسانوں کو ٹھیکہ پر دیگا۔تاکہ موسم پر اسکا حصّہ دیں سکیں۔یسوع نے ان سے کہا یقیناً تم نے اس بات کو صحیفوں میں پڑھا ہے:گھر کی تعمیر کرنے والے نے جس پتّھر کو ردّ کیا وہی پتّھر میرے کونے کا پتّھر بن گیا۔یہ کام خداوند نے کیا۔اور یہ ہمارے

[1] یسعیاہ 9:43
[2] متّی 23:31

لئے حیرت کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے میں تم سے جو کہتا ہوں وہ یہ کہ خدا کی بادشاہت تم سے چھین لی جاے گی اور اس قوم کو جو اسکے پھل لا کر دے گی دی جائیگی[1]۔"

یعنی سیدنا مسیح علیہ السلام بھی بات کی تائید کر رہے ہیں بنی اسرائیل کا خدا کی چنیدہ قوم کی حیثیت سے رویہ رہا ہے لہذا خدا کی بادشاہی ان سے لے لی جاے یعنی اسحاق کی نسل سے عہد ختم کر دیا جائے گا اور اس قوم کو دیا جاے گا جو اسکا پھل لاے گی .

اب ہمیں یہ قرآن سے معلوم ہوا کے خدا نے بنی اسماعیل کا انتخاب کیا . لکھا ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ[2].

"اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تمھیں پسند کیا ہے اور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی تمہارے باپ ابراھیم کا دین ہے اسی نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط ہو کر پکڑو وہی تمہارا مولیٰ ہے پھر کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مدد گار۔"

قرآن مجید میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ[3]

"اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی جماعت بنایا تا کہ تم اور لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔"

ان آیات کی روشنی سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کے اضحاق کی نسل بنی اسرائیل اب اس عہد میں نہیں جنھیں خدا نے کبھی پہلے گواہ کے طور پر منتخب بلکہ یہ عہد اسماعیل علیہ سلام اور انکی نسل سے ہوا۔ اور اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ایک خدا کے گواہ اور درمیانی جماعت کے طور پر منتخب کیا جن میں سے خدا کے عظیم کے نبی محمد ﷺ بھی شامل ہیں۔

اب اگر یہودی اور مسیحی علما کی جانب سے یہ کہا جائے کہ اضحاق علیہ السلام سے جو عہد کیا گیا وہ ابدی ہے عہد تو یہ بات بلکل بھی درست نہیں پیدائش کی کتاب 17 باب کی آیت 19 میں ابدی عہد کے لیے جو لفظ استعمال ہوا ہے "olam" ہے . اور سٹرانگ ڈکشنری کے مطابق

Original Word: עוֹלָם
Strong Number: H576
Part of Speech: Noun Masculine

---

[1] مرقس 10-1 : 12
[2] القرآن 22:78
[3] القرآن 2:143

Transliteration: olam
Phonetic Spelling: (o-lawm')
Definition: long duration, antiquity, futurity

قارئین یہ کتاب مقدس میں یہ لفظ مدت، طویل وقت اور قدیمیت کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اسکی بائبل سے ہی مثالیں دیکھتے ہیں لکھا ہے:

"میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش رہا اور ضبط کرتا رہا پر اب میں دردزہ والی کی طرح چلاؤنگا میں ہانپونگا اور زور زور سے سانس لونگا[1]۔"

I have long time holden my peace; I have been still, and refrained myself: now will I cry like a travailing woman; I will destroy and devour at once.

اس حوالے میں H5769 کا ترجمہ "long time" یا "مدت" کیا گیا ہے۔ اگر یہاں عبرانی کے لفظ H5769 "olam" کا ترجمہ "ابدیت" کرتے تو جملہ بنتا کے خدا ابدیت سے خاموش رہا جو کہ سراسر غلط ہے بلکہ ایک بھیانک غلطی ہے جو پھر مسیحیوں کو بھی قبول نہیں ..

مزید لکھا ہے:

"اِسلئے کہ دُشمن نے میری جان کو ستایا ہے۔ اُس نے میری زندگی کو خاک میں ملا دیا۔ اور مجھے اندھیری جگہوں میں اُنکی مانند بسایا ہے جِنکو مرے مُدّت ہو گئی ہو[2]۔"

For the enemy hath persecuted my soul; he hath smitten my life down to the ground; he hath made me to dwell in darkness, as those that have been long dead.

یہاں بھی مرے ہوے لوگوں کے عبرانی لفظ "olam" استعمال ہوا ہے جسکا سٹرانگ نمبر H5769 ہی ہے اور اسکا ترجمہ بھی مدت ہی کیا گیا ہے کیونکہ مرے ہوے لوگ "ابد" سے نہیں مرے بلکہ ایک "مدت" سے مرے ہیں۔۔

قارئین بائیبل میں H5769 "olam" کا ترجمہ "ابدی" بھی کیا ہے مگر اس سے وہ واضح غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں لکھا ہے.:

"لیکن حنّہ نہ گئی کیونکہ اُس نے اپنے خُاوند سے کہا جب تک لڑکے کا دودھ چُھڑیا نہ جائے میں یہیں رہونگی اور تب اُسے لیکر جاؤنگی تاکہ وہ خُداوند کے سامنے حاضِر ہو اور پھر ہمیشہ وہیں رہے[3]۔"

---

[1] یسعیاہ 42:14

[2] زبُور 143:3

[3] سموئیل 1:221

But Hannah went not up; for she said unto her husband, I will not go up until the child be weaned, and then I will bring him, that he may appear before the LORD, and there abide for ever.

اوپر پیش کیے گئے حوالے میں حنہ کے بیٹے سموئیل کے بارے میں کہا گیا کے وہ خدا کے سامنے ہمیشہ رہا اور یہاں پر بھی اس "ہمیشہ" لفظ کے لیے عبرانی کا لفظ "olam" استعمال ہوا ہے جسکا سٹرانگ نمبر H5769 ہی ہے .

جبکہ سموئیل کو لے کر وہ اس مقام پر ابدی طور پر نہیں رہے سموئیل کی والدہ حنہ خو آگے بیان کرتی ہیں لکھا ہے:

"اِسی لئے مَیں نے بھی اِسے خُداوند کو دے دِیا۔ یہ اپنی زندگی بھر کے لئے خُداوند کو دے دیا گیا ہے تب اُس نے وہاں خُداوند کے آگے سجدہ کیا[1]۔"

Therefore also I have lent him to the LORD; as long as he liveth he shall be lent to the LORD. And he worshipped the LORD there.

یعنی سموئیل ابدی عہد تک نہیں بلکہ اپنی زندگی بھر یا کہہ سکتے ہیں طویل عرصے تک وہاں رہے..

مزید لکھا ہے:

"اور چونکہ تُو خداوند اپنے خدا کے اُن حکموں اور آئین پر جنکو اُس نے تجھ کو دیا ہے عمل کرنے کے لیے اُسکی بات نہیں سُنے گا اِس لیے یہ سب لعنتیں تجھ پر آئیں گی اور تیرے پیچھے پڑی رہیں گی اور تجھ کو لگیں گی جب تک تیرا ناس نہ ہو جائے۔ اور وہ تجھ پر اور تیری اولاد پر سدا نشان اور اچنبھے کے طور پر رہیں گیں[2]۔"

Moreover all these curses shall come upon thee, and shall pursue thee, and overtake thee, till thou be destroyed; because thou hearkenedst not unto the voice of the LORD thy God, to keep his commandments and his statutes which he commanded thee:
And they shall be upon thee for a sign and for a wonder, and upon thy seed for ever.

اس حوالے میں خدا کے آئین اور حکموں کے کے خلاف جانے والوں پر لعنت کی گیی ہے اور یہ لعنت انکی اولاد پر بھی ہمشہ رہنے کی بات کی ہے ..

یہاں پر بھی اس "ہمیشہ" لفظ کے لیے عبرانی کا لفظ "olam" استعمال ہوا ہے جسکا سٹرانگ نمبر H5769 ہی ہے.. جسکو ابدی معنوں میں سمجھا جاتا ہے .

---

[1] سموئیل 1:281

[2] استثناء 45.46:28

مگر بائبل میں ہی گلیتوں کے نام خط میں لکھا ہے:

"مسیح جو ہمارے لِئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شَریعَت کی لعنت سے چھُڑایا کیُونکہ لِکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے [1]۔"

یعنی یہ لعنتیں جسکا ذکر استثناء میں ہمشہ رہنی تھیں جسکا عبرانی olam H5769 ہی بیان ہوا ہے تو اسکا مطلب بائبل خدا کا وعدہ نعوذ باللہ غلط ہے کیونکہ پولوس کے بیان کے مطابق شریعت کی لعنت سے چھڑا دیا گیا۔

قارئین بائبل مزکورہ مثالوں اور سٹرانگ ڈکشنری کی تعریف ظاہر ہوتا ہے اضحاق سے عہد کے لیے جو ابدی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ دراصل لمبے عرصے کے معنوں میں ہے یہ بطال قلم کی بطالت ہے جو تحریف کی مرتکب ہوئی۔ چونکہ خدا کا ابدی عہد ابراہیم علیہ سلام کی نسل سے تھا جیسا کے لکھا ہے:

"اور مَیں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان اُنکی سب پُشتوں کے لئے اپنا عہد جو ابدی عہد ہو گا باندھُونگا تاکہ مَیں تریا اور تیرے بعد تیری نسل کا خُدا رہُوں [2]۔"

And I will establish my covenant between me and thee and thy seed after thee in their generations for an everlasting covenant, to be a God unto thee, and to thy seed after thee.

اس کے سیاق وسباق کے مطابق خداوند ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ابدی عہد باندھنے کی بات کر رہے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہی ہیں جیسا کہ لکھا ہے.:

"اور اُس لَونڈی کے بیٹے سے بھی مَیں ایک قوم پیدا کرونگا اِسلئے کہ وہ تیری نسل ہے [3]۔"

And also of the son of the bondwoman will I make a nation, because he is thy seed.

قارئین خداوند نے زمانے کے بدکار ریاکار قوم سے عہد کو ختم کر دیا اور ابراہیم کی ہی نسل سے اپنا عہد قائم کر کے گواہ کے طور پر چنا جیسا کے بیان کیا جاچکا ہے

خداوند سے دعا ہے کہ اہل علم مسیحی علما کو سچ جاننے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین

---

[1] گلتیوں 3:13

[2] پیدائش 17:

[3] پیدائش 21:13

امت مسلمہ کا عروج بھی قابلِ دید تھا اور زوال بھی باعثِ عبرت ہے کسی بھی قوم کا نہ عروج اتفاقی ہوتا ہے اور نہ زوال حادثاتی، بلکہ عروج بھی فطرت کے قوانین کا پابند ہوتا ہے اور زوال بھی قدرت کے ازلی اصولوں کے تحت۔ اسی ناقابل تغیر قانون کے تحت ملتِ اسلامیہ کے عروج و زوال کے اسباب کو سمجھنا ہمارا مذہبی فریضہ بھی ہے۔ اور زوال کی پستیوں سے اٹھ کر پھر عروج پانے کا ذریعہ اور زینہ بھی۔

وہ کیا اوصاف اور خوبیاں تھیں جن کے سبب اس قوم نے صحراؤں سے اٹھ کر ایران و روم کی سلطنتوں کو پلٹ دیا۔ یہ قوم بڑھی اور بڑھتی چلی گئی۔ فتوحات ان کا مقدر بنیں اور عزتیں ان کا نصیب۔ زمانے کو اس قوم نے امن و آشتی کی دولت بھی دی۔ اور علم و حکمت کے گوہر بھی۔ یہ قوم دنیا کو توہمات کے جہان سے نکال کر حقائق کی روشنی میں لائی۔ اس قوم نے چار دانگِ عالم میں صرف ابدان پر حکومت نہیں کی بلکہ دلوں کو مسخر کیا اور روحوں پہ راج کیا۔

لیکن پھر اس قوم پر زوال پوری شدت کے ساتھ آیا۔ ان کی عزتیں خاک میں مل گئیں۔ ان کی فتوحات شکست کا روپ دھار گئیں اور بقول دانائے راز

ے ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
زمانے کو راہ دکھانے والے خود دوسرں کے اشاروں پر چلنے لگے۔

وہ کیا وجوہات تھیں جنھوں نے اس قوم کو فاتح عالم بنایا اور وہ کیا اسباب تھے جن کے سبب اسن سے عزتوں اور فتوحات کے تاج چھین لیے گئے۔
امت مسلمہ زوال پذیر کیوں ہوئی؟ اہل اسلام دنیا میں ہر جگہ کیوں پٹ رہے ہیں؟ باوجود کثیر ہونے کے مغلوب کیوں ہیں؟
تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے سے اور امت مسلمہ کے ماضی اور حال پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے اس کے زوال کے چند بڑے اسباب نظر آتے ہیں۔

1۔ شریعت الٰہی سے دوری:

امت مسلمہ کے زوال کا سب سے اہم پہلو شریعت الٰہی سے دوری ہے۔ جب مسلمانوں نے قرآن و سنت کو بالائے طاق رکھا اور خواہش نفس

---

[1] محمد طیب: ریسرچ سکالر ایم فل

اور طاغوتی قوتوں اور لادین عناصر کے قوانین پر عمل کرنے لگے تو تنزلی کا شکار ہوئے۔ جس جگہ بھی مسلمانوں کی حکومتوں پر زوال آیا اور وہ بربادی کا شکار ہوئے، اس حقیقت کو ماننا پڑے گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تنبیہات کو جھٹلایا، ان سے روگردانی کی اور قرآن کی نصیحتوں کو پسِ پشت ڈالتے رہے جس کی وجہ سے وہ نعمتیں چھین لی گئیں جو ان کی عطا کی گئیں تھیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ:

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِہٖ۔

ترجمہ: اللہ نے کسی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے۔[1]

لہٰذا ایک دل میں دو کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ ایک دل دو چوکھٹوں پر بیک وقت سجدہ ریز نہیں ہو سکتا۔ ایک اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی بناء پر مسلم دوسروں سے ممتاز تھے اور جب وہ ایک سجدہ گراں گزرا تو پستی سے ہزاروں خداؤں نے کھینچ لیا اور امت مسلمہ ثریا سے زمین پر دے ماری گئی۔

2۔ عیش کوشی و بے جا اسراف:

اقوام کا ہر معاملہ اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں نے کار اقتدار کو بھی عبادت سمجھ کر بطور ذمہ داری قبول کیا تھا جو حقیقت میں خلافت کہلاتا ہے۔ اور یہ خلافت صاحبِ اقتدار کو پابند مالک رکھتی ہے۔ مگر جب خلافت ملوکیت سے بدل دی جائے تو لازمی بات ہے کہ ملوکیت کے اثرات ظہور پذیر ہوں گے جو اس کا خاصہ ہے۔

پھر حکومت عوام کے بجائے ذاتی اور خاندانی ملکیت ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک وملت کے تمام ذرائع ووسائل مفاد عامہ پر خرچ ہونے کے بجائے بادشاہت کی بقاء اور شان وشوکت پر صرف کیے جانے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کے زوال کی ایک وجہ حکمرانوں کی عیش وعشرت تھی۔

3۔ فریضہ اقامت دین سے غفلت:

خیر امت کا اصل کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور حقیقت میں یہ انسانیت کیلئے پیغام فلاح ہے۔ لہٰذا اس پیغام کو قبول کرنے والوں پر لازم ہے اسے ساری نوع تک پہنچانے کی سعی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ

---

[1]۔ الاحزاب: 4

ترجمہ: دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم خیر کی دعوت دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔[1]

مسلمانوں نے جب تک اپنے اس کام کو فرض سمجھ کر ادا کرتے رہے ان کے معاملات زندگی میں اصلاح و درستگی کا عمل جاری رہا۔ امت مسلمہ نے جب اپنے فریضے سے روگردانی کی تو زوال پذیر ہوئی۔

4۔ اخلاقی بگاڑ:

اخلاقیات کا سب سے زیادہ درس اسلام نے دیا ہے اور خلق عظیم کے مرتبے پر فائز اخلاق کی تکمیل کرنے والے محمد عربی ﷺ کی امت میں جب اخلاق زوال پذیر ہونا شروع ہوئے اور بناؤ کے بجائے بگاڑ کا عنصر پروان چڑھا تو امت مسلمہ زوال کا شکار ہوئی۔ رفتہ رفتہ مغرب پسندی نے مسلمانوں کے اندر سے اخلاق حسنہ کو نکال کر مادیت کا بندہ بنا دیا۔

5۔ نصب العین سے دوری:

نصب العین کا مطلب ہے کہ اپنی نگاہ کو اہم مقصد کے حصول کے لیے جمائے رکھنا لہٰذا زندگی کے تمام مقاصد کو ایک اعلیٰ مقصد کے تحت لا کر تمام تر توجہ اس اعلیٰ مقصد کی جانب مبذول رکھنا نصب العین کہلاتا ہے۔

جب کسی قوم کا کوئی نصب العین نہ ہو تو اس کا ہر عمل یا تو بے مقصد ہوتا ہے یا عمل کی استعداد ختم ہو جاتی ہے۔ اپنی منزل، بقاء، کامیابی و غلبہ اور اس کے حصول میں معاون تمام محرکات و جذبات سرد ہو جاتے ہیں اور وہ قوم قال و قیل کی حجتوں اور جزوی تنازعات میں مشغول ہو جاتی ہے کیونکہ کوئی مقصد زندگی و جذبہ تحریک کار فرما ہی نہیں رکھا جاتا۔

؎ قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاع کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ ذات و صفات

لہٰذا نصب العین سے دوری بھی مسلمانوں کے زوال کا سبب بنی۔

6۔ حب الدنیا و کراہیت الموت:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت پر ایک وقت آنے والا ہے جب دوسری قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس زمانے میں ہماری تعداد اتنی کم ہو جائے گی کہ ہمیں نگل لینے کے لیے

---

[1]۔ ال عمران: 110

قومیں متحد ہو کر ہم پر ٹوٹ پڑیں۔ ارشاد فرمایا نہیں! اس وقت تمہاری تعداد کم نہ ہو گی۔ البتہ تم سیلاب میں بہنے والے تنکوں کی طرح بے وزن ہو گے۔ اور تمہارا رعب نکل جائے گا تمہارے دلوں میں بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہو جائے گی۔ اس پر ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ بزدلی کیوں پیدا ہو جائے گی؟ فرمایا: اس وجہ سے کہ تم دنیا سے محبت کرنے والے ہو جاؤ گے اور موت سے نفرت کرنے والے ہو جائے گے "۔[1]
یعنی دنیا سے رغبت و محبت پیدا ہو جائیگی جس سے عزم و ہمت اور ایثار و قربانی کے کام نہ ہونے پائیں گے۔ اور موت سے ناگواری اور کراہت پیدا ہو جانے لگے گی جس کی بناء پر اعلائے کلمۃ اللہ اور حق کی سربلندی کی راہ میں جانبازی کا جوہر باقی نہیں رہے گا۔ یہ بھی امت کے زوال کا سبب ہے۔

حرف آخر:

یہ وہ چند اہم اسباب ہیں جس کی وجہ سے امت زوال پذیر ہے۔ اور اگر امت دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا چاہتی ہے تو اپنی تاریخ کو دیکھ کر اور تاریخ سے اپنی ترقی کے اصول لے کر ہی اوپر آسکتی ہے بقول اقبالؒ

مسلمانوں سنبھل جاؤ سنبھل جانے کا وقت آیا
بہت سوئے ہو تم اب ہوش میں آنے کا وقت آیا

جلا ڈالی تھی تم نے کشتیاں اندلس کے ساحل پر
مسلمانوں وہی تاریخ دہرانے کا وقت آیا

جہاں سے تین سو تیرہ چلے تھے تم مسلمانوں
انہی ماضی کی راہوں پر پلٹ جانے کا وقت آیا

1۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث: "سنن ابی داؤد" مصطفی البابی، مصر 1952ء، باب: فداعی الامم علی الاسلام

اپنا مضمون / مقالہ بھیجیں

علوم اسلامیہ و عصری تعلیم۔کالج،یونیورسٹی،اور فاضلین جامعات متوجہ ہوں

الاسلام ریئل کے آنے والے شمارے کے لیے اپنے مضامین/مقالہ جات/ریسرچ پیپر ارسال فرمائیں

ہمارا مقصد صرف اسلام کی طرف اٹھنے والے ہر فتنہ کا علمی جواب دینا ہے اور اس کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا پڑے گا۔

موضوعات۔دفاع اسلام۔دفاع قرآن۔دفاع حدیث۔ختم نبوت و ناموس رسالت۔تقابل ادیان۔

ردالحاد۔ردفتنہ جدیدیہ۔اسلامی تاریخ۔اسلامی سائنس۔مغربیت اور عصر حاضر

آپ کے سابقہ مضامین HEC کے جرنلز یا کسی بھی رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں اور علمی نوعیت کے ہیں

تو براہ کرم آپ ہمیں ارسال کر سکتے ہیں۔

مضمون باحوالہ۔کمپوزڈ۔فرقہ واریت۔تعصب۔طنز و فریب۔سے پاک ہونا چاہیے۔

کسی بھی قسم کی علمی معاونت کے لیے "**الاسلام ریئل**" کی ٹیم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔